بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه نقوش اسلام

Issue.No.11,12	January,February 2021 - جنوری/فروری ۲۰۲۱ء	VOL.No.15

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری
شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی
مولانا سعید الرحمٰن فیضی ندوی — مولانا محمد اکرم ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی — مولانا رشید احمد ندوی
مولانا محمد احمد صالح جی — مولانا حسن مرچی
مولانا یحییٰ بام — مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P) INDIA. Cell.09719831058
E.mail : masoodazizi94@gmail.com
www. nuqusheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ ۲۰/روپئے
سالانہ ۲۴۰/روپئے
خصوصی ۵۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTEDAT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

iles\A017.TI not found. Files\A025.TIF not found. iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
مسلمان دنیا میں اللہ کا سفیر ہے	محمد مسعود عزیزی ندوی	
فکروعمل		۷
مردوہ ہیں جوزمانہ کوبدل دیتے ہیں	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	
تجزیہ		۱۲
سیرۃ النبیؐ اور مذہبی رواداری	مولانا ندیم احمد انصاری	
احوال وطن		۱۶
ہندوستان کی قومی پالیسی ۲۰۲۰ء......	ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی، حیدرآباد	
فقہ جدید		۲۳
بینک انٹرسٹ کے مصارف	مفتی امانت علی قاسمی، دیوبند	
یاد رفتگاں		۲۸
حضرت مولانا صابر علی قاسمی چترویدیؒ	حمیداللہ قاسمی کبیرنگری	
تعلیم وتربیت		۳۱
بچوں کی تعلیم وتربیت کا انداز	محمد مسعود عزیزی ندوی	
اسلامی تعلیمات		۳۵
عافیت والی زندگی کیلئے رہنما اصول	مولانا عبدالقوی، حیدرآباد	
سیرت وسوانح		۴۱
پروفیسر ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی......	مولانا محمد ریاض ندوی کھجناور	
اللہ کی قدرت		۴۳
سورج اور چاند اللہ کی تخلیق کردہ	ماخوذ	
جائزہ		۴۶
اللہ کی نافرمانیاں کرنا ایک سنگین جرم	مولانا محمد دلشاد مظاہری سہارنپور	
مطبوعات		۴۸
مرکز احیاء الفکر الاسلامی کی شائع شدہ کتابیں	ادارہ	

❑❑❑❑

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
۱/۴ صفحہ //		۴۰۰............

◯ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰/روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہرقسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

مسلمان دنیا میں اللہ کا سفیر ہے

محمد مسعود عزیزی ندوی

مسلمان ایک زندہ قوم ہے، بلکہ دنیا کی سردار قوم ہے، دنیا کی سیادت وقیادت اور دنیا کی امامت وحکمرانی اس کا حق ہے، اگر یہ اپنے اس حق کو پہچانے گا تو امامت کبری اور امامت صغری دونوں کا تلازم اور اجتماع ہوگا اور صحیح اسلامی معاشرہ کا وجود ہوگا، بلکہ صحیح طور پر اسلام کا، اسلام کے نظام کا نفاذ ہوگا اور اسلامی معاشرہ تشکیل پائے گا اور زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور جب تک یہ بات نہ ہوگی تو ذلت ونکبت اور رسوائی اس کا مقدر ہوگی، جیسا کہ اس وقت عالمی طور پر اسلام کے نام لیواؤں کے ساتھ دنیا کے ہر ملک میں چاہے وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، ان کے لئے زمین تنگ کی جارہی ہے، اس صورت حال کے سلسلہ میں اور اس صورت حال سے نکلنے کے لئے مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے ایک عالم دین مولانا کبیر الدین فاران کی کتاب ''امیدوں کا چراغ'' کے مقدمہ میں مندرجہ ذیل تجزیہ پیش کیا ہے:

''مسلمانوں کی آبادی اب دنیا کے تقریباً ہر ملک میں پائی جاتی ہے، اور وہ ملک جن میں وہ اکثریت میں ہیں، ایک معتد بہ تعداد رکھتے ہیں، یہ تعداد ایسی ہے کہ بین الاقوامی سیاست اور دیگر معاملات میں نظر انداز نہیں کی جاسکتی، مسلمانوں کے یہ ملک اقتصادی لحاظ سے بھی مضبوط ہیں، ان میں سے متعدد ملک اپنے معدنی ذخائر کے لحاظ سے دنیا کے اولین ملکوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے بعض ذخائر ایسے ہیں کہ دنیا کے انتہائی بڑے ملک اپنے کو ان کا محتاج محسوس کرتے ہیں، مسلمان اگر امت واحدہ کے طور پر کام کریں تو دنیا کی بین الاقوامی سیاست اور رائے عامہ ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوسکتی، ان کی رعایت کے بغیر دنیا کا کوئی کام انجام نہیں پاسکتا۔

مسلمانوں کو اللہ تعالی کی طرف سے جو دین عطا کیا گیا ہے، وہ تمام انسانیت کی فلاح اور صلاح کا ضامن ہے، وہ نہ صرف خود مسلمانوں کی عزت وقوت کا باعث ہے، بلکہ ساری دنیا کی عزت وقوت کا سرچشمہ یہ دین بن سکتا ہے، لیکن اس امر کی طرف توجہ تمام دنیا کو کیا خود مسلمانوں کو بھی نہیں ہے، وہ نہ اپنے دین کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نہ بحیثیت ایک بین الاقوامی اور عظیم تر ملت ہونے کے اپنی طاقت کو سمجھتے ہیں، وہ اپنے دین کی اس اہمیت اور اپنی عظیم طاقت سے فائدہ اٹھانے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے اور اس کے لیے جو سود مند طریقہ ہے، اس کو اختیار نہیں

کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی اہمیت سے واقف نہیں کراتے ، یہ وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ وہ خود بھی اس سے صحیح فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی اس کی اہمیت وافادیت سے واقف کرائیں، مسلمانوں کو اللہ تعالی کی طرف سے امت دعوت بنایا گیا ہے، ان کی افادیت اس پانی کی طرح ہے جس سے انسانوں کی پیاس بجھتی ہے، اور خشک کھیتیاں سیراب ہوکر سرسبز وشاداب ہوتی ہیں، لیکن اس وقت مسلمان خود اپنی پیاس نہیں بجھا پارہے ہیں، اور خود اپنی کھیتیوں کو سرسبز وشاداب نہیں بنا پارہے ہیں، اس وقت دنیا کے ملکوں میں کم ایسے ملک ہوں گے جہاں مسلمانوں پر بحیثیت مسلمان زمین تنگ نہ ہو، ان کو بے بسی اور لاچارگی کا سامنا نہ ہو، ان کا حال یہ ہوگیا ہے کہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، وہاں ان کو سیاسی اور اقتصادی دشواریوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں ان کو اپنے دین پر صحیح طور پر عمل کرنے اور اس کو نافذ کرنے میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آرہی ہیں۔

یہ صورت حال اگر مسلمان ایک کمزور، بے قیمت اور وسائل زندگی سے محروم قوم ہوتے تو سمجھ میں آسکتی تھی، یا ان کی تعداد بہت کم ہوتی تو بھی سمجھ میں آسکتی تھی، لیکن ان کے موجودہ حجم کی صورت میں کہ دنیا کی پانچ ارب آبادی میں وہ ایک ارب سے زیادہ ہیں، دنیا کے سیاسی طور پر ڈیڑھ سو تسلیم شدہ ملکوں میں ایک تہائی کے قریب ہیں، متحدہ اقوام میں وہ جس رائے کی طرف ہوجائیں اس رائے کا ناکام ہونا ممکن نہیں، وہ دنیا کے ملکوں کی برادری میں کوئی ایک موقف اپنائیں تو ان کے موقف کو گرایا نہیں جاسکتا، وہ اپنی زمینی دولتوں کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کریں تو دنیا کے بڑے بڑے ملک ان کے قدموں پر گر جائیں گے، وہ متحد ہوکر اپنی سیاست بنائیں تو دنیا میں کوئی بڑا فیصلہ ان کی رائے معلوم کئے بغیر نہ ہوسکے گا۔

لیکن ہو کیا رہا ہے؟ مسلمانوں کی ان تمام طاقتوں اور صلاحیتوں کے باوجود ان کے برعکس حالات میں چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی آپس میں کئی ٹکڑوں میں بنا ہوا ہے اور ایسی عداوت ہے کہ دشمن سے بھی نہ ہوگی، بھائی بھائی سے جدا ہے، بلکہ اس کو گرانے اور شکست دینے کی خاطر دشمن سے بھی مدد لے لیتا ہے، اسلام کی عزت، ملت کی عزت اور ادارہ کی عزت کے بجائے صرف اپنی عزت کی فکر میں لگا ہوا ہے، وہ اپنی عزت کے لئے خواہ وہ صرف دکھاوے کی اور جھوٹی عزت ہو، اپنے خاندان کی، اپنی ملت کی عزت کو برباد کرسکتا ہے، افراد سے لیکر اداروں، حکومتوں اور بین الاقوامی برادری تک بھی مسلمانوں کا یہ طرز عمل نظر آرہا ہے، ایسی صورت میں اس قوم کی ترقی وکامیابی کی اچھی توقعات کہاں قائم کی جاسکتی ہیں؟ لیکن اس سب کے باوجود اس عظیم دین کے تابعداروں کیلئے مایوسی کی بات نہیں ہے، اس میں امید کی کرن ان اسلامی تعلیمات میں ہے جو ہم کو قرآن کریم اور حدیث سے ملتی ہیں، ان کو اگر ہم اپنا سکیں تو ہم اپنی تمام کمزوریوں کو دور کرسکتے ہیں، اور مسلمانوں کی تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے کہ امت اتنی گر گئی کہ اس کا اٹھنا دشوار محسوس ہونے لگا، اتنے میں خدا کا ایک بندہ اٹھا اور اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے

ہوئے طریقے پر چلتے ہوئے اصلاح کی جدو جہد کی اور وہ جدو جہد کامیاب ہوئی، اسی لئے یہ امت اتار چڑھاؤ سے تو گزری؛ لیکن ختم یا تباہ نہ ہوئی۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

آج ضرورت ہے کہ ہم غور کریں کہ ہم اپنی ان کمزوریوں کو کیسے دور کر سکتے ہیں، جو ہم کو تباہی و بربادی میں ڈالے ہوئے ہیں، ہم کو چاہئے کہ ہم ان کمزوریوں کی اصلاح کی فکر کی طرف جلد ہی توجہ کریں، باہر کے دشمن سے لڑنے سے قبل ہم کو اپنے اندر کے دشمن سے لڑنا ہوگا، بخار میں مبتلا آدمی کو پہلے اپنے بخار کو دور کرنے کی فکر کرنا چاہئے تاکہ وہ صحت کے ساتھ طاقت آزمائی میں مضبوط ثابت ہو سکے، ہماری طاقت وعظمت کا راز اس میں پوشیدہ ہے ''**تَعَاوَنُوْاعَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَاتَعَاوَنُوْاعَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان**'' کہ (نیکی کے کام میں اور تقویٰ واحتیاط کے سلسلہ میں آپس میں تعاون کرو، معصیت کے کام اور دوسرے پر زیادتی کے سلسلے میں تعاون نہ کرو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''**ولاتباغضوا ولا تحاسدوا ولاتدابروا ولاتقاطعوا وکونوا عباد اللّٰہ اِخوانا**'' (آپس میں غصہ نہ کرو اور نہ آپس میں حسد کرو، اور نہ سازش کرو اور نہ آپس میں مقاطعہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ)۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

ہم تنہا ان دو نصیحتوں کو اپنے سامنے رکھیں اور اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالیں تو ہماری وحدت مضبوط دیوار کی طرح بن سکتی ہے، ہماری طاقت ناقابل شکست چٹان بن سکتی ہے، ہمارا معاشرہ شاندار سیرت وکردار کا معاشرہ بن سکتا ہے کہ جس کو دیکھ کر ہمارے دشمن رشک کریں اور صرف رشک ہی نہیں بلکہ اس کی طرف مائل ہونے اور اس کی نقل کرنے کی طرف لپک کر بڑھیں اور ہماری رہنمائی اور سرپرستی میں اپنے کو دے دینے کے خواہشمند ہوں، کیا ایسا ہمارے ماضی میں نہیں ہوا؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ رسال کے عرصہ میں جو معاشرہ تربیت دیکر تیار کیا تھا، اس معاشرہ نے دنیا کے ایک بڑے حصہ کو اپنا گرویدہ اور نیازمند نہیں بنالیا؟ حالانکہ ان کی مادی طاقت اپنے دشمنوں کی مادی طاقت سے کم تھی، ان کی تعداد ان کے دشمنوں کی تعداد سے کم تھی، انکے وسائل وسامانِ زندگی اپنے دشمنوں کے وسائل اور سامان زندگی سے کم تھے، لیکن انکے پاس ایمان کی طاقت تھی، بے غرضی اور اخلاص کی طاقت تھی، اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینے اور خواہش نفس پر غالب رہنے کی طاقت تھی، اور آج ہمارے پاس یہ طاقتیں موجود نہیں، ہم خدا کے حکم اور ملت کے مفاد کیلئے اپنی اندرونی خواہش وجذبہ کو بھی قربان نہیں کر سکتے۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

ہمارے کسی معمولی ذاتی مفاد کا نقصان ہو یا اپنی جھوٹی عزت کے کسی جزو کو دھکا پہنچتا ہو تو ہم شریف سے شریف آدمی کو ذلیل کر کے رکھ دیں، ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کر دیں، خدا اور رسول کے اہم سے اہم حکم کو پامال کر دیں، ایسی صورت میں نتیجہ معلوم ہے کے پہلے ملت کی تباہی پھر اسکے افراد کی بربادی اور ذلت، آج افسوس کی یہی بات ہے کہ امت اسلامیہ

بین الاقوامی، پھر بین الملکی، پھر من حیث الجماعت، پھر من حیث الافراد ایسی ذلت ونکبت میں مبتلا نظر آرہی ہے اور حضور صلی االلہ علیہ وسلم کا وہ فرمان آج کے حال پر منطبق ہورہا ہے کہ ''انتم غثاء کغثاء السیل'' تم تعداد کی زیادتی کے باوجود سیلاب کے لائے ہوئے جھاگ کی طرح ہوگے، یعنی دیکھنے میں بہت لیکن حقیقت وافادیت میں کچھ نہیں''۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

مرشد الامت کے اس تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ امت کس ڈگر پر ہے، یہ کہاں پھنسی ہوئی ہے اور اس کو کہاں ہونا چاہئے تھا، خدا کرے مسلم قوم کے غیور اور دینی حمیت کے حامل افراد اس سلسلہ میں غور کریں، اور امت کی ڈانواڈول کشتی جو اس وقت طوفان کی مجدھار میں ہے، نکلنے کی کوئی سبیل نکالیں، اور امت کے جو افراد ابھی تک نفسی نفسی اور اپنے اپنے گھروندوں کی فکر میں ہیں، وہ باشعور ہوجائیں، اور حالات کا صحیح رخ سمجھ لیں، اور پکے سچے مسلمان بن جائیں، کیونکہ مسلمان اس کائنات میں، اس زمین پر اللہ کا سفیر ہے، اور سفیر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے حکمراں کو تمام حالات وتقاضوں اور خبروں سے واقف کرے اور اپنے ملک کے قانون سے لوگوں کو آگاہ کرتا رہے، یہی فرض اس امت کا ہے کہ وہ اپنے رب کے احکامات کو خود بھی فولو کرے اور دوسرے لوگوں کو بھی بتاتی رہے، اور ان پر عمل نہ کرنے کی صورت میں رب کی طرف سے ملنے والی سزا سے بھی باخبر کرتی رہے، اور اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو، اس لئے کہ یہ بات بھی تاریخ انسانی سے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کو اور اس کے احکامات کو بھولنے سے، اچھے حالات بھی خراب ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالی کی طرف رجوع وانابت سے اور اس کے احکامات کی پابندی سے خراب حالات اچھے حالات میں بدل جاتے ہیں، لہٰذا امید کی جاتی ہے کہ مسلم قوم سنبھل جانے کی کوشش کرے گی، ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے، ورنہ پھر وہ وقت بھی قریب ہے کہ کوئی سننے والا نہ ہوگا اور تمہاری داستان بھی نہ ہوگی داستانوں میں، اور باقی رہنے کے لئے اپنے اندر نافعیت پیدا کرنی ہوگی، اللہ تعالی مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اپنے وجود اور اپنی نافعیت وافادیت سے اہل دنیا کو واقف کرائے، اور اپنی ضرورت کا اعتراف کرائے، پھر وہ اپنے سفارتی عمل میں کامیاب ہوسکتا ہے جو مقصد حیات ہے۔

❁❁❁❁

حادثہ فاجعہ

۲۴؍جنوری ۲۰۲۱ء بروز اتوار صبح کے وقت مولانا محمد طیب صاحب قاسمی ناظم جامعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا عالم پور عماد پور، ضلع سہارنپور کے جواں سال صاحبزادے مولوی محمد عثمان کی بائک کار سے ٹکرا جانے کی وجہ سے شہادت ہوگئی، اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اراکین مرکز وماہنامہ ''نقوش اسلام'' بھی مولانا کے غم میں برابر شریک ہیں۔

فکر وعمل

مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

"اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى، وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا"۔(سورۂ کہف:۱۳/۱۴)

یہ سورۂ کہف کی ایک آیت ہے، اس کا عنوان اگر اس زمانہ کے اسلوب اور اسٹائل میں مقرر کروں تو کہوں گا ''قصہ سات جواں مردوں کا''۔

اس قصہ میں نسل انسانی کے نوجوان عنصر کے لئے خصوصی پیغام اور ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جو ہر زمانہ میں کام دے سکتا ہے اور جو صرف دماغ و دل پر نہیں، بلکہ صلاحیتوں، حوصلوں اور عزائم پر بھی ایک تازیانے کا کام دے سکتا ہے، وہ کبھی شبنم ٹپکاتا ہے، کبھی پھول کی جھڑیاں لگاتا ہے، مجھے بھی آج نوجوانوں کے سامنے نوجوانوں کا قصہ سنانا ہے اور میں کیا سناؤں گا، بلکہ قرآن مجید سناتا ہے، یہ وہ نوجواں ہیں جن کو قرآن نے ان کا تذکرہ کرکے لافانی بنا دیا اور ہر دور کے نوجوانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ اور آئیڈیل، بات بڑی مختصر، بڑی سادہ، لیکن بڑی عمیق اور سبق آموز۔

قصہ یہ ہے کہ رومن امپائر کے ایک حصہ میں جو شام و فلسطین کہلاتا ہے، ایک دعوت پیدا ہوئی جس کو لانے والے سیدنا مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے جو ہم مسلمانوں کے نزدیک بھی خدا کے پیغمبر برحق ہیں، انہوں نے توحید کی دعوت دی، اُس وقت ساری دنیا میں شرک پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف گھٹاٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی، اس اندھیرے میں ایک روشنی چمکی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شرک، نسل پرستی، رسم پرستی، توہم پرستی، ظاہر پرستی اور انسانیت کے استحصال کے خلاف آواز بلند کی، جس کی اصل اساس توحید اور سچی خدا پرستی تھی، اس دعوت کو کچھ لوگوں نے تسلیم کیا اور وہ اس کے حامی و داعی بن گئے، انہوں نے اپنے قلمرو سے باہر قدم نکالا اور رومی شہنشاہیت کے مرکز کے قریب جاکر دعوت پیش کی، اکثر دیکھا گیا ہے کہ سن رسیدہ اور پختہ کار لوگوں کے مقابلہ میں (جن کے پاؤں میں تجربات، مفادات، رسم ورواج اور خوف و امید کی بھاری بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں، اور ان کو کسی نئے تجربے اور انقلابی اقدام سے باز رکھتی ہیں) نوخیز اور جواں سال (جن کے پاؤں میں یہ بیڑیاں نہیں ہوتیں) اور ان کی وابستگیاں، اور ان کا اٹیچمینٹ ان چیزوں کے ساتھ نہیں ہوتا جن کے ساتھ عموماً بڑی عمر والوں کا ہوا کرتا ہے، نئی اور صالح دعوت کو جلد قبول کر لیتے ہیں، قرآن مجید ان نوجوانوں کی عمر کا تعین نہیں کرتا اور یہی قرآن مجید طریقہ ہے۔

اگر وہ کہتا کہ ۱۸/۲۰/سال کے نوجوان تھے، تو اس سے اوپر اور اس سے نیچے عمر والوں کو بہانا مل جاتا کہ ہمارا قصہ نہیں ہے قرآن کہتا ہے "اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ" وہ چند نوجوان تھے، جو حضرات عربی کا ذوق رکھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ " فِتْيَةٌ "کے لفظ میں عمر کی جوانی کے ساتھ دل و دماغ اور حوصلوں اور عزم و ارادہ کی جوانی کی طرف بھی اشارہ آگیا ہے، اس لئے اس کے ترجمہ میں، میں نے ''جواں مرد'' کا لفظ اختیار کیا، "فِتْيَةٌ" "فتی "کی جمع 'فتیان' بھی آتی ہے، لیکن "فِتْيَةٌ"، جمع قلت کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس طرح قرآن

اشارہ دیتا ہے کہ وہ گنتی کے چند نوجوان تھے اور یہی ہمیشہ ہوا ہے کہ جب خدا پرستی اور اصلاح حال کی صحیح دعوت آئی ہے تو اس کے ماننے والے ابتداء میں تھوڑے ہوئے ہیں، جن کو خدا نے اس کی توفیق دی اور ان کو یہ ہمت ہوئی۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ اور صفات میں بھی ''رب'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے "اِنَّھُمۡ فِتۡیَۃٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّھِمۡ" یہ بات بہت معنی خیز ہے، اس لئے کہ حکومتوں کو اپنے یہاں کے باشندوں کے رازق ہونے کا بھی (کبھی زبان قال سے اور کبھی زبان حال سے) دعویٰ ہوتا ہے اور ان کے ساتھ اس طرح کے خیالات اور عقیدے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ اگر اپنی پرورش کا سامان کرنا ہے اور عزت و راحت کی زندگی گزارنی ہے، تو ان حکومتوں سے اپنے کو متعلق کرنا پڑے گا، ان کا حاشیہ بردار ہو کر رہنا، اور ان کے رکاب میں چلنا پڑے گا، ان کی ہاں میں ہاں ملانا ہوگا، اس کے بغیر رزق اور خوشحال و فارغ البال زندگی کے دروازے یکسر بند ہیں، قرآن جو لفظ کہتا ہے، وہ اپنی جگہ پر انگوٹھی میں نگینہ کا کام دیتا ہے، پوری پوری کتابوں کا مضمون ایک لفظ میں آجاتا ہے، یہ جواں مرد انسانوں کے اس جنگل میں کھڑے ہو گئے، جہاں اس رومن امپائر کا جھنڈا لہرا رہا تھا، جو اس وقت دنیا کی سب سے منظّم، سب سے متمدن، دنیا کو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ قانون دینے والی، دنیا کی سب سے وسیع خطہ پر حکومت کرنے والی شہنشاہی تھی۔

انگریزی محاورہ کے مطابق اس حکومت کی ناک کے نیچے اور بالکل آنکھوں کے سامنے چند نوجوان کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کر کے اس کا اعلان کرتے ہیں، جو اس وقت کا صحیح مذہب اور اس عہد کا اسلام تھا، اس وقت تک مسیحیت میں تحریف نہیں ہوئی تھی، اس کے وہ داعی وہاں پہنچے تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کے صحیح علمبردار تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارا رازق اور ہماری پرورش کا ذمہ دار حکومت نہیں ہے، ہمارا رازق اور پروردگار خدا ہے، اور وہی ہمارا پرورش کا ذمہ دار ہے" رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ " ہماری پرورش کرنے والا وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، یہ بات اس منظّم سلطنت میں کہی گئی تھی، جس نے وسائل معیشت پر قبضہ کر رکھا تھا، گویا وہاں کے باشندوں کی قسمت و روزی کی مالک بن گئی تھی اور بظاہر نفع و ضرر کی ساری طاقتیں اس کے ہاتھ میں آگئی تھیں، اس وقت دانشمندی اور حقیقت پسندی کا ایک ہی ثبوت تھا کہ حکومت کے دامن سے وابستہ ہو کر حکومت کے عقیدہ کو اختیار کر کے کم سے کم اس عقیدہ پر سکوت اختیار کر کے اس قلمرو میں اچھی زندگی گزاری جائے، انہوں نے پوری یونانی دیو مالا اور رومی دیو مالا کا انکار کیا جو اس وقت کی رومی تہذیب و تمدن و معاشرت اور عقائد و اعمال میں سرایت کر چکی تھی اور پورا معاشرہ مشرک اور توہم پرست بن گیا تھا، یونان اور روما (اور قدیم ہندوستان میں بھی) صفات الٰہی کا تصور دیوتاؤں کی شکل میں کیا جاتا تھا اور ان کے نام پر بڑے بڑے معبد اور ہیکل بنے ہوئے تھے، یہ محبت کا دیوتا ہے، یہ شفقت کا، یہ روزی دینے کا، یہ جنگ کا، یہ ہیبت و جلال کا، یہ بارش کا، ان نوجوانوں نے بیک زبان اب سب کا انکار کیا اور کہا: ''رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَاۡ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا، هٰۤـؤُلَۤاءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً، لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَيِّنٍ، فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا''۔ (سورۂ کہف آیت ۱۴:۱۵)

ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر نہیں پکاریں گے (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل کہی، ہماری قوم کے ان سب لوگوں نے اس کے سوا

معبود بنا رکھے ہیں یہ (ان کے خدا ہونے پر) کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لائے تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے، جو خدا پر جھوٹ افتراء کرے۔

یہاں قرآن مجید نے ایک اور حقیقت بیان کر دی وہ یہ کہ پہلا قدم آدمی کی طرف سے اٹھتا ہے، پہلے ہمت اس کی طرف سے ہونی چاہئے، اس کے بعد اللہ کی طرف سے مدد آتی ہے: "اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى" (وہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا) اگر آدمی اس کا منتظر رہے کہ کوئی چیز خود بخود دل میں نفوذ کر جائے، اس کے گلے منڈھ دی جائے تو یہ صحیح نہیں، پہلے خود فیصلہ اور ہمت کرنی ہوگی اس کے بعد خدا کی مدد آتی ہے، فرماتا ہے "وَرَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ" (ہم نے ان کے دلوں کو سہارا دیا) اس لئے کہ کان کا واسطہ اس زمانہ کی سب سے عظیم اور قہرمان سلطنت سے تھا، وہ سرکاری مذہب کو چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کر رہے تھے۔

یہ اصحاب کہف کا واقعہ ہے، مجھے شرق اردن کے سفر ۱۹۷۳ء میں اس غار کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، جہاں وہ محو خواب تھے، اردن کے آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر محقق فاضل رفیق وفا الدجانی صاحب نے ان کی زیارت کرائی اور علمی وفنی دلائل سے ثابت کیا کہ یہی اصحاب کہف کی جگہ ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ اس واقعہ کو صدیوں تک نظم کیا جاتا رہا ہے اور وہ وہاں کی ادبیات کا ایک جزء بنا رہا ہے، میں نے بہت تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "معرکہ ایمان ومادیت" میں تقابلی مطالعہ کی روشنی میں اس پر نظر ڈالی ہے، تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں میں سے اکثر اہل دربار کی اولاد تھے، یعنی سلطنت کے خاندانی نمک خوار تھے، کسی کے باپ، کسی کے چچا، کسی کے بڑے بھائی اس وقت رومن امپائر کے کسی بڑے عہدے پر فائز تھے، اس لئے یہ مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ اور نازک بن گیا کہ بات صرف اتنی نہ تھی کہ چند بے تعلق اور سر پھرے نوجوان کھڑے ہوگئے، انہوں نے بغاوت کا نعرہ لگایا اور کہہ دیا کہ ہم سرکاری مذہب کو نہیں مانتے ہم نے ایک نیا دین قبول کیا ہے۔

یہ وہ لوگ تھے، جن کے ساتھ پورے خاندان اور خاندانوں کی قسمت اور عزت وابستہ تھی، ان کے اس اقدام سے ان کے والدین، ان کے خاندان کے بزرگ اور ذمہ دار نازک پوزیشن میں مبتلا ہوگئے، ان سے براہ راست سوال کیا جا سکتا تھا کہ تم نے اپنے فرزندوں اور خوردوں کو اس باغیانہ اقدام سے کیوں نہیں روکا؟ دوسری طرف خود ان کے بزرگان خاندان کے لئے ایک بڑی آزمائش تھی کہ وہ ان نوجوانوں کے متکفل تھے، وہ ان سے بڑی امیدیں رکھتے تھے اور ان کا مستقبل شاندار نظر آتا تھا، ایک جگہ قرآن مجید نے اس نفسیاتی کیفیت کو جو خاندان کے بزرگوں اور ذمہ داروں کو نوجوانوں کے اس طرح کے اقدام سے پیش آتی ہے بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود میں توحید اور دین حق کی دعوت پیش کی تو قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے بڑے درد اور دل کی چوٹ کے ساتھ کہا کہ صالح! تم سے تو آئندہ کیلئے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں، خیال تھا کہ تم سیدھے سیدھے اس لائن پر چل کر (جس پر قوم چل رہی ہے) اس میں کچھ امتیاز پیدا کر کے اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے اور اپنی قوم کے لئے عزت وافتخار کا باعث بنو گے: "قَالُوۡا يٰصٰلِحُ قَدۡ كُنۡتَ فِيۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ هٰذَاۤ" (صالح تم ہماری امیدوں کا مرکز تھے) تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا، تم یہ نئی دعوت لے کر کھڑے ہوگئے اور پوری قوم کو مخالف بنایا "مَرۡجُوًّا" کا تقریباً وہی مفہوم ہے، جو انگریزی میں لفظ (Promising) کا ہے، جو کسی ایسے ہونہار طالب علم، یا نوجوان کیلئے بولا جاتا ہے، جس کا مستقبل درخشاں نظر آتا ہے۔

یہ نوجوان گنتی میں بہت تھوڑے تھے اور بعض قرائن وقیاسات کی بناء پر سات سے زیادہ ان کی تعداد نہیں تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ کئی سو آدمیوں کی قسمت وابستہ تھی، صرف ایک کے ساتھ پورا پورا خاندان اور برادری کا سلسلہ تھا اور وہ سب ان کے اس اقدام کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گئے تھے اور شک کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے تھے، وہ کتنے خاندانوں کی امیدوں کا مرکز تھے اور کتنے گھروں کی ترقیاں وخوش حالیاں ان سے وابستہ تھیں؟ اس کی طرف لوگوں کی کم نظر جاتی ہے، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ سات آٹھ کا معاملہ کیا؟ پکڑے گئے تو پکڑے گئے اور مارے گئے تو مارے گئے!

اگر زندگی کے آسائشوں سے محروم ہوئے تو سات ہی آدمی تو محروم ہوئے، یہ نہیں سوچتے کہ معاملہ کبھی ایک اکیلے آدمی کا نہیں ہوتا، متمدن زندگی میں فرد واحد (اکائی) کا تصور مشکل ہے، شعراء تو اس کا تصور کر سکتے ہیں؛ لیکن واقعات کی دنیا میں اکثر فرد واحد کا وجود نہیں ہوتا، اس کے تعلقات اور روابط کتنے لوگوں سے ہوتے ہیں، اس لئے فرد واحد فرد واحد نہیں ہوتا، اگر یہ سات بغاوت کرتے ہیں تو سمجھئے کہ ستر خاندان زد میں آجاتے ہیں، اس لئے مسئلہ بہت اہم تھا اور اسی لئے قرآن مجید نے اس کو بطور مثال پیش کیا ہے، اس وقت تاریخ کی کتابوں میں یہ تفصیل نہیں مل سکتی کہ کس طرح سے ان کو ڈرایا دھمکایا گیا اور کس کس طرح ان کو لالچیں دی گئیں اور سبز باغ دکھائے گئے، ایسے اقدامات سے روکنے کیلئے (خاص طور پر جبکہ مقابلہ میں نوخیز اور نوجوان ہوں) ترہیبات (ڈرانے والی چیزوں) کے ساتھ ترغیبات (راغب کرنے والی چیزیں) بھی ہوتی ہیں، اکثر ترہیبات کے مقابلہ میں ترغیبات زیادہ موثر اور کامیاب ثابت ہوتی ہیں، ایک بزرگ نے جن کا دونوں چیزوں سے واسطہ پڑا تھا، فرمایا کہ توڑے کوڑوں سے زیادہ نازک ہوئے ہیں، طاقتیں اور حکومتیں کبھی کوڑے سامنے لاتی ہیں، اور کبھی توڑے (اشرفیوں کی تھیلیاں) ان نوجوانوں کے سامنے کوڑے بھی آئے ہوں گے اور توڑے بھی، انہوں نے کوڑوں کو بھی سہ لیا اور توڑوں کا بھی توڑ کر لیا اور یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قوت وسکون اور صبر وتحمل اور قربانی وایثار کی دولت عطا فرمائی وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔

ہمیشہ ملک ومعاشرہ اس وقت بچا ہے جب کچھ لوگوں نے اپنے مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، وہ ناسمجھدار اور غیر متوازن بھی نہیں تھے، ان کی گفتگو بتاتی ہے کہ وہ صحیح الحواس، صحیح الدماغ دانہ اور فرزانہ نوجوان تھے؛ لیکن بات یہ تھی کہ ان کی روح صرف اس بات سے تسکین نہیں پا سکتی تھی کہ ان کو روٹی، کپڑا ملتا رہے، ان کے ذہن میں یہ تھا کہ یہ تو کسی امیر گھر کے کتے کا راتب ہے، اس کو بعض اوقات ایسا اچھا دودھ ملتا ہے جو بہت سے غریب گھرانوں کے بچوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا اور وہ ایسے ناز ونعم سے رکھے جاتے ہیں جس کا بہت سے انسان (جو اشرف المخلوقات ہیں) خواب بھی نہیں دیکھ سکتے، لیکن ہزار ناز پروردہ کتے ایک ایسے فاقہ کش انسان پر قربان جس کو معرفت الٰہی اور ایمان کی دولت حاصل ہے، اور اللہ نے اس کو اپنے ہم جنس انسانوں کی فکر اور درد نصیب کیا ہے، وہ طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں اپنی جگہ بنانی نہیں، اور جانوروں کی طرح کھا پی کر دنیا سے رخصت نہیں ہو جانا ہے، ہمیں اپنے کو بھی اس خطرے اور ہلاکت سے بچانا ہے جو غلط عقائد، غلط مقاصد، غلط اعمال اور خراب اخلاق کی صورت میں ہمیشہ پیش آنے والا ہے اور اپنی قوم وملک اور معاشرہ کو بھی ان مصیبتوں اور خطروں سے بچانا ہے جو ان کے سر منڈلا رہے ہیں، انسانی تاریخ اس کی شہادتیں پیش کرتی ہیں کہ ایسے باہمت افراد کامیاب ہو جاتے ہیں اور پوری پوری قوم اور ملک کو اپنی آسائش اور ملک کی قربانی دے کر

بچالے جاتے ہیں، انسانیت کی آبرو انہیں کے دم سے ہے، امن وامان، صلاح وفلاح، حق وصداقت اور دعوت حق کا تسلسل انہیں سے قائم ہے۔

ہمارا ملک اخلاقی طور پر اس وقت احتضار کی کیفیت ''سکرات'' سے دو چار ہے وہ کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے، پورے ملک میں کرپشن وباء کی طرح پھیلا ہوا ہے، کارکردگی، فرض شناسی، محنت کشی، جفاکشی، اپنے ملک سے سچی محبت اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ہمدردی عنقا ہے، انتظامیہ میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اس لئے بیٹھا ہوا ہے کہ اپنی جیب بھرے، وہ قابل رشک انسان ہے جو جیب کے بجائے کاغذ کا پیٹ بھرنے اپنا وقت پورا کرنے کی فکر میں ہے، اگر کوئی سامنے آتا ہے تو غور سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سے کتنی بڑی رشوت لی جاسکتی ہے، غور سے اس لئے نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے چہرے پر کیا اتار چڑھاؤ ہے وہ کس مصیبت میں مبتلا ہے؟ بلکہ اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ چہرہ کیا بتا رہا ہے کہ وہ کس سے تعلق رکھتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مدت کے بعد اپنے وطن آنے والے مسافر کو بجائے وطن پہنچنے کی خوشی کے سہم چڑھ جاتا ہے کہ معلوم نہیں اس کو کس ذلت اور کس مصیبت سے واسطہ پڑے اور کس کو کیا رشوت دینی پڑے، یہ کیوں نہیں ہوتا کہ ہندوستان اپنے ملک کی سرحد پر (خواہ وہ ہوائی یا زمینی) آکر عزت وسکون محسوس کرے اور خوش ہو کہ ہم اپنے گھر آئے، میں آپ کو یہ دعوت نہیں دیتا کہ آپ کالج چھوڑ کر قوم وملک کی خدمت میں لگ جائیں، آپ ٹھوس خدمت جبھی کرسکیں گے، جب آپ اچھی طرح پڑھیں گے، تعلیم میں امتیاز حاصل کریں گے اور یہاں سے نیک نام ہو کر نکلیں گے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اچھے کار گزار، فرض شناس، محبت وطن اور اگر مسلمان ہیں تو اچھے مسلمان بنیں، آپ کے اندر مدد کا جذبہ ہونا چاہئے، آپ کے اندر کام سے وہ خوشی ہونی چاہئے جو آرام کرنے سے نہیں ہوتی، اس وقت پورے ملک کا نظام ڈھیلا ہو گیا ہے اور عام زندگی مشکل ہو گئی ہے کس کس محکمہ، کس کس شعبہ زندگی کا رونا رویا جائے، میں اپنے مسلمان بچوں سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ کسی کا یہ اخلاق یا شہری فرض ہو تمہارا تو یہ مذہبی فرض ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ''۔ (سورۂ مطفّفین آیت ۳)

''ناپ اور تول میں کمی کرنے والے کے لئے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں''۔

کتنی بڑی حقیقت خدا کے بیان کی ہے، یہ صرف دودھ کی دوکان یا پرچون کی دوکان کا معاملہ نہیں، بلکہ پوری زندگی میں ہوسکتا ہے، آج ہمارا پورا انتظامی ڈھانچہ اور معاشرہ ''مطفف'' بن گیا ہے، سب کا مرض ''تطفیف'' ہے، اپنا حق پورا وصول کرنا، یا وصول کرنے کے لئے لڑنا اور دوسروں کا فرض نہ ادا کرنا، یا ادھورا ادا کرنا، اگر آپ کو ہندوستان میں باعزت زندگی گزارنی اور اپنا مقام پیدا کرنا، یا اپنا مقام محفوظ رکھنا ہے، تو اس کا ذریعہ صحیح دینداری بلند وبے داغ کردار اور عملی نمونہ پیش کرنا ہے، اگر آپ اس ملک کی قیادت بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ بھی یہی ہے کہ آپ اپنے دین کی تعلیمات، قرآن کی ہدایت، اپنے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اسوۂ وسیرت پر چلیں اور ان جواں مردوں کی تقلید کر کے (جن کا قصہ قرآن کی سورۂ کہف میں بیان کیا گیا ہے) اپنے مستقبل اور ترقی کے امکانات کو خطرہ میں ڈال کر ملک کو (اور اگر اللہ ہمت بلند اور وسیع نظر کرے) تو انسانیت کو خطرے سے بچانے کی کوشش کریں، اکبر نے صحیح کہا ہے:

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں
مرد وہ ہے جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

تجزیہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مذہبی رواداری

مولانا ندیم احمد انصاری ''الفلاح'' فاؤنڈیشن انڈیا

رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس تاریک دنیا کو اپنے نور فیض سے منور کرنے کیلئے اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے اور آپ نے اپنے کردار و عمل سے گھٹاٹوپ اندھیروں کو روشنی سے بدل دیا، گو آج آپ کی تعلیمات پر جان بوجھ کر الزام تراشیاں کی جاتی ہوں، جب کہ دین اسلام دین فطرت ہے اور اس کی تعلیمات فطرت کے عین موافق و مطابق ہیں، اسلام نہ تو اپنے پیروکاروں پر اس قدر سختی کرتا ہے کہ ہر چیز کو حرام قرار دے کر انھیں دنیا سے کنارہ کش کر دے، اور نہ ہی ایسی آزادی کا علم بردار کہ اپنے متبعین کو تمام تر قیود سے آزاد کر بے مہار کھلا چھوڑ دے۔

اس وقت ہمارا موضوع ہے ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مذہبی رواداری'' یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام اور رسول اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دیگر تعلیمات حسنہ کے ساتھ مذہبی رواداری کا بھی عظیم پیغام دیا اور کل انسانیت کے ساتھ حسن سلوک کی بھرپور تاکید کی، اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (مفہوم) اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد (باپ) اور ایک عورت (ماں) سے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ الحجرات)

یعنی اس کائنات میں بسنے والے تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، خواہ عرب میں رہنے والا ہو یا عجم میں، شہر میں رہنے والا ہو یا دیہات میں، بنگلے میں رہنے والا ہو یا جھونپڑی میں، خواہ کسی نسل و خاندان سے تعلق رکھنے والا اور کسی بھی زبان کا بولنے والا ہو، گورا ہو یا کالا، سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور وہ بھی کیسے، ماں جائے اور باپ جائے بھائی، جن میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تقریباً پندرہ سو سال قبل مذہبی رواداری کا پیغام دیا، وہ بھی ایسے وقت اور ایسی زمین پر جہاں ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا ہوا کرتا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر چھڑنے والی جنگیں چالیس چالیس سالوں تک چلا کرتی تھیں، کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس سب کے باوجود اسلام کے متعلق نت نئی غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں اور اسلام دشمن پروپیگنڈے واویلا کرتے ہیں کہ اسلام نفرت و دشمنی کی تبلیغ کرنیوالا مذہب ہے، بلکہ انھوں نے اپنے اس پروپیگنڈے کی ترویج و اشاعت کیلئے قرآن مجید کی بعض آیات کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش اور حقیقت سے ناواقف لوگوں کے لیے تلبیس کا سامان کیا ہے، مستزاد یہ کہ ذرائع ابلاغ نے بھی اس پروپیگنڈے کے تلاطم خیز سمندر کو وسعت دینے میں اہم کردار ادا کیا اور اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی اعتراف ہے کہ خود مسلمانوں کی معتد بہ تعداد اس سلسلے میں بعض غلط فہمیوں اور غلو آمیز تصورات کا شکار ہوگئی، اس لیے ضروری ٹھہرا ہے کہ ان تلبیسات کے پردے کو چاک کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

امتیاز کے باوجود حسن سلوک:

یہ درست ہے کہ اسلام کی تاکید ہے کہ مسلمان اپنے دینی مزاج و خصوصیات اور اخلاقی صفات میں غیر مسلموں سے واضح

طور پر ممتاز رہیں، ان کی نقالی سے پرہیز کریں اور خاص طور پر ان کی مذہبی نشانیوں اور رسومات سے اجتناب کریں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام ہر ذی روح کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے اور انسان تو کجا، جانوروں تک سے سنگ دلانہ برتاؤ کو ناپسند کرتا ہے، اسی لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان ہی نہیں؛ بلکہ بے زبان جانوروں تک سے حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے، ایک دفعہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے اپنے اونٹوں کے لیے ایک خاص حوض بنا رکھا ہے؛ لیکن اس پر بسا اوقات بھولے بھٹکے جانور بھی آجاتے ہیں، اگر میں انھیں بھی سیراب کردوں تو کیا اس پر بھی مجھے ثواب ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ہر پیاسے یا ذی روح کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

اس باب میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصولی تعلیم یہ ہے کہ "لاضـــرر و لاضـــرار" یعنی نہ خود تکلیف اٹھاؤ اور نہ ہی دوسروں کو تکلیف پہنچاؤ۔ (ابن ماجہ)

اس ارشاد میں اس قدر عموم ہے کہ اس کے مطابق دوسروں کو تکلیف دینا جائز نہیں، خواہ وہ انسان ہو یا حیوان، رحمۃ للعالمین کے طرز عمل سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ربیع بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ اپنی کسی حاجت سے باہر تشریف لے گئے، ہم نے ایک سرخ پرندہ دیکھا جس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے، ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا تو وہ فرط غم سے ان کے فرد منڈلانے لگا، اتنے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور یہ سب بہ تاکید ارشاد فرمایا: ''اس پرندے سے اس کے بچوں کو چھین کر کس نے اسے رنج پہنچایا'' اس کے بچوں کو لوٹا دو۔ (ابوداؤد)

رواداری هود ین بے زاری نہیں:

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو رسول اور جو مذہب جانوروں تک کے حقوق کے سلسلے میں اس قدر رحیم وشفیق ہو، وہ انسانوں کے ساتھ کس درجے رحیم وشفیق ہوگا! ہاں یہ دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ ''اسلام میں رواداری کا مطلب، دین بے زاری ہرگز نہیں'' باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، اب خواہ شکر گزار ہو، خواہ ناشکرا''۔ (سورۂ دہر)

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'میثاق مدینۂ' کے نام سے یہودی اور دیگر لوگوں سے جو معاہدہ کیا، وہ عالم کا پہلا ایسا منشور قرار پایا' جس میں انسانیت کے حقوق کا سب سے زیادہ پاس ولحاظ رکھا گیا تھا، اس معاہدے کے تحت مذہبی رواداری پر مبنی جو حقوق غیر مسلموں کو حاصل ہوئے، من جملہ ان کے دو یہ تھے:

(۱) ایک یہ کہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو بھی مذہبی و سیاسی سطح پر وہی حقوق حاصل ہوں گے، جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ دونوں فریق مل کر دشمنوں سے اس امت متحدہ کی حفاظت کریں گے اور دونوں مل کر دفاعی اخراجات کی ذمے داریاں اٹھائیں گے اور اس اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو داخلی طور پر بھی کامل خود مختاری دی گئی، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''عیسائیوں کو چاہیے کہ وہ انجیل کے مطابق فیصلہ کریں''۔ (سورۃ المائدہ)

یہی وجہ تھی کہ مدینہ منورہ میں ساری حکومت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں آجانے کے باوجود آپ نے یہودیوں پر اسلام لانے کے لئے کوئی جبر نہیں کیا اور فتح مکہ کے موقع پر بھی ایسی فراخ دلی کا مظاہرہ فرمایا، جس کی مثال معلوم دنیا میں ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

رواداری و دل آزاری:

اسلام نے ہمیشہ مذہبی رواداری کا سبق دیا اور مذہبی دل آزاری سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ان کو برا بھلا نہ کہو، جنھیں یہ لوگ اللہ کے ماسوا معبود بنا کر پکارتے ہیں۔ (سورۂ انعام)

ہاں اس کے ساتھ یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلام میں جہاں مذہبی دل آزاری سے منع کیا گیا ہے، وہیں برہان و دلائل سے حکمت کے ساتھ تنقید کرنا اور اختلاف کرنا، آزادی اظہار کے حق کے زمرے میں رکھا گیا اور مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ اہل کتاب یا کسی بھی مذہب کے پیروکاروں سے جب گفتگو کی جائے تو تحمل اور رواداری کا مظاہرہ کیا جائے اور احسن انداز اپنایا جائے، اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر احسن طریقے سے، یعنی اسلام نہ تو کسی کی دل آزاری کی اجازت دیتا ہے اور نہ ایسی مذہبی رواداری کی کہ فریق مخالف کی ہر صحیح و غلط بات کو بلا چوں و چرا مان لیا جائے اور صلح کل کا ایسا دعوی کیا جائے کہ اسلام کی اصل شناخت ہی باقی نہ رہے۔

رواداری کا بنیادی اصول:

رواداری کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے یہ اساسی اصول مقرر فرمایا ہے: ''دین میں کوئی جبر نہیں''۔ (سورۂ بقرہ)

یہ اصول انسان کی آزادی فکر وعقیدے کا سب سے اہم اعلامیہ (چارٹر) ہے، اس میں دوٹوک الفاظ میں یہ بات ارشاد فرمادی گئی کہ کسی بھی انسان کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ جس بات کو خواہ دین سمجھ کر ہو، صحیح سمجھ رہا ہے، جبراً دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کرے، بلکہ ہر فرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس نظریے کو چاہے اختیار کرے، اس کا محاسبہ کرنے والی اصل ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، نیز اس بنا پر اسے بنیادی انسانی حقوق سے محروم بھی نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس لیے اے نبی! آپ اس دین کی طرف دعوت دیجیے اور ثابت قدم رہیے، جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے اور کہہ دیجیے کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے، ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ (الشوریٰ)

ایک مقام پر ارشاد ہے: تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کا رویہ اختیار نہ کرو، انصاف کرو۔ (المائدہ)

دوسرے مقام پر فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ آپس میں لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرتا رہتا تو غیر مسلموں کے عبادت خانے، گرجے، مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ (الحج)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں میں مذہبی رواداری کے جذبات کو موجزن رکھنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے متعدد مسلم حکمراں گذرے ہیں جنہوں نے نہ صرف غیر مسلم عبادت گاہوں کی سرپرستی، ان کی تعمیر میں مدد کی بلکہ خود سے اس کی تعمیر بھی کرائی، جس کی مثالیں عہد اموی سے لے کر بادشاہ اورنگ زیب عالم گیرؒ تک ملتی ہیں۔

مختصر یہ کہ اسلام میں رواداری کا تصور یہ نہیں ہے کہ مختلف اور متضاد باطل خیالات کو درست قرار دے دیا جائے؛ بلکہ اسلام کی رو سے مذہبی رواداری کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے عقائد یا اعمال ہمارے نزدیک غلط ہیں، ان کو ہم برداشت کریں، ان کے جذبات کا لحاظ کر کے ان پر ایسی نکتہ چینی نہ کریں، جو ان کو رنج پہنچانے والی ہو اور انھیں ان کے اعتقاد سے پھیرنے یا ان کے عمل

سے روکنے کے لیے زبردستی کا طریقہ اختیار نہ کریں، اس قسم کے طریقے سے لوگوں کو اعتقاد وعمل کی آزادی دینا نہ صرف ایک مستحسن فعل ہے بلکہ مختلف الخیال جماعتوں میں امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے، لیکن اگر ہم خود ایک عقیدہ رکھنے کے باوجود محض دوسرے لوگوں کو خوش کرنے کیلئے ان کے مختلف عقائد کی تصدیق کریں اور خود ایک دستور العمل کے پیرو ہوتے ہوئے، دوسرے مختلف دستوروں کا اتباع کرنے والوں سے کہیں کہ آپ سب حضرات برحق ہیں تو اس منافقانہ اظہار رائے کو کسی طرح رواداری سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، مصلحتاً سکوت اختیار کرنے اور عمداً جھوٹ بولنے میں آخر کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔

اعتدال ناگزیر:

خلاصہ یہ کہ رواداری نہایت قابل تعریف صفت ہے مگر جس طرح ہر چیز اعتدال کے ساتھ ہی مفید ہوتی ہے، یہی معاملہ رواداری کا بھی ہے، اس لیے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ کسی حال میں بھی اس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا، غور کیجیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ رحمٰن ورحیم اور ستار وغفار ہے لیکن اسی کے ساتھ وہ قہار بلکہ شدید العقاب بھی ہے، جب تک وہ اپنی ستاری اور غفاری کا معاملہ کرتا ہے تو کفر اور شرک کو بھی برداشت کرتا جاتا ہے لیکن جب اس کی قہاری کا مظاہرہ ہوتا ہے تو بستیاں اور قوم کی قوم صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں، انبیائے سابقین کی قوموں کی بداعمالی کے نتیجے میں ان کے ساتھ جو کچھ ہوا سب دنیا کے سامنے ہے، مختلف حالتوں اور موقعوں کیلئے مختلف صورتیں ہوتی ہیں اور کبھی انسانیت کی درستگی واصلاح کیلئے مدبرانہ سختی بھی گزیر ہوتی ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں نرم اخلاق بھی ہیں اور موقع ومحل کی مناسبت سے سخت گیری بھی، جس کے نوعیت یہ ہے کہ آپ ؐ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے اور اللہ کی حدوں کو توڑنے والوں کو معاف نہیں فرماتے تھے، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بجا لکھا ہے کہ اس دنیا میں سرگرم شجاعانہ قوتوں اور نرم اخلاق ان دونوں قوتوں کی ضرورت ہے اور دونوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف ہمارے پیغمبر اسلام میں مل سکتی ہیں۔ (بشکریہ ندائے اعتدال)

عورتوں کو حمام میں غسل کی ممانعت

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اس پر لازم ہے کہ بغیر تہبند کے حمام میں داخل نہ ہو، اور جو شخص اللہ اور اس آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (ترمذی ونسائی)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہی کہ ''کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے، کیا کلب اور عام پارکس کچھ ان حماموں سے کم ہیں، جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے اور وعدوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں، کیا آج کل کے اسکول حماموں سے کم ہیں، جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم وکرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں، پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے؟ اور کیا یہ سب کچھ اس تبرج جاہلیہ کا عکسی رخ نہیں ہے، جس کی ممانعت وتغیر پر قرآن کریم نے اپنا سارا زور صرف کر دیا تھا''۔ (اسلام میں پردہ کی اہمیت: مؤلفہ سارہ عزیزی)

احوال وطن

ہندوستان کی قومی پالیسی ۲۰۲۰ء

تعارف، خطرات اور راہ عمل

ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی اسلامک اسٹڈیز، مانو، حیدرآباد

تعارف:

آیئے! ہم تعلیمی پالیسی 2020 پر بات کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہم کہاں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، کن جگہوں پر بیدار رہنے کی ضرورت ہے اور اپنے کن سرمایوں اور خزانوں سے محرومی کا خدشہ ہوسکتا ہے، یہ پالیسی بہت تفصیلی ہے اور ہر منصوبہ کی طرح اس میں بھی کئی اچھائیاں، کئی الجھاوے اور کئی مخصوص پسند کی تبدیلیاں ہیں، بچوں کی تعلیم بیحد اہمیت رکھتی ہے، اس پالیسی میں یہاں دورانیہ کا پورا ڈھانچہ بدلا ہے، مضامین میں کھلا پن اور صلاحیت پر توجہ دی گئی ہے، امتحان کا بوجھ اتارا گیا اور کوچنگ کلچر کو دور کیا گیا ہے، مادری زبانوں کو اہمیت ملی ہے، لیکن سنسکرت کو سر پر سجاتے ہوئے عربی سے بے رخی برتی گئی ہے، اور ہندوستانی تہذیب اور کردار کو پورے ڈھانچہ اور سانچہ میں روح کی طرح جاری بنایا گیا ہے، اور ہندوستانیت کی تشریح زعفرانی رنگ میں لائی گئی ہے، مانوس طریقہ اور ڈھانچہ میں تبدیلی فطری بھی ہوتی ہے، یہ کسی حد تک اچھی بھی ہوسکتی ہے، آئین نو رطرز کہن کو بدلتا رہتا ہے، سو بدل رہا ہے، زبان کا مسئلہ بے حد اہم ہے، یہ قوم کو ماضی، سرمایہ اور جڑ سے جوڑتی یا کاٹ دیتی ہے، تو اسے بچائے رکھنا فرض ہوجاتا ہے، ہندوستانیت ملک کی مشترکہ ثقافت ہے، ماضی بعید تو تاریخ ہے، دور وسطی ملک کی شان اور عزت وخوشحالی ہے، اور دور جدید تاریخ کا تسلسل ہے، سب کے ملنے سے تہذیب بنی ہے، وہی ہندوستانیت ہے، لیکن یہ منظر یہاں مفقود ہے، تو یہ تشریح محنت اور عزم کے ساتھ کرنی ہوگی اور آنے والی نسلوں کو عزم کی زندگی اور ملت سے وابستگی دینی ہوگی۔

اسکول کی تعلیم:

اس پالیسی کے لحاظ سے اسکول کی تعلیم اب پندرہ سال ہوگی، تین سال آنگن واڑی، اس کے بعد دو سال اول دوم، یہ پانچ سالہ فاؤنڈیشن کہلایا، سوم، چہارم اور پنجم یہ تین سال تیاری والے کہلائے، ششم، ہفتم اور ہشتم یہ تین سال مڈل کہلائے اور اب ایک ساتھ چار سال: نہم، دہم، گیارہویں اور بارہویں، سکنڈری نام پائے، تو یہ پندرہ سال کی اسکولی تعلیم ہوگی، اس کا نیا نام ہوا: 5+3+3+4۔

قدیم سے ملائیں تو درجہ اول سے قبل کے تین سال یعنی نرسری، کے جی فرسٹ، کے جی سکنڈ کو باضابطہ تعلیم میں شامل کرلیا گیا ہے، قدیم میں چھ سال کی عمر کلاس اول کی تھی، تو اب بھی یہی ہے کہ اب آنگن واڑی کے تین سال کا کورس تین سال کی عمر سے شروع ہوگا، تو اب بھی اٹھارہ سال کی عمر میں بارہویں کی تکمیل ہوگی، اندیشہ ہے کہ لازمی حق تعلیم قانون 2009 کی طرح اب تین سال کی ہی عمر سے آنگن واڑی تعلیم لازمی بنادی جائے، آنگن واڑی کے تین سال اور اول و دوم کلاسز میں تعلیم کے مضامین تربیت کے ٹھوس نقوش بن جائیں گے، تو اس پالیسی میں ان پر اپنی پسند کی گہری چھاپ ڈالی گئی ہے، ان اساتذہ کو خاص انداز سے چھ ماہ اور ایک سال کی تربیت دی جائے گی، ان کے

پاس اپنی تعلیم بھی برائے نام ہوگی، اس تعلیمی دورانیہ کوECCE کے نام سے اہمیت اور تیاری کے ساتھ لایا گیا ہے، تعلیم سے زیادہ خاص ہندوستانیت کے لباس میں تربیت پر بھرپور توجہ رکھی گئی ہے، اس میں اسکول سے باہر کے افراد بھی پڑھانے اور سکھانے کیلئے آئیں گے، توان امور میں سے ہر نکتہ پر غور کرنیکی سخت ضرورت ہے، فاؤنڈیشن کے ان پانچ سالوں میں مادری اور علاقائی زبان میں تعلیم ہوگی، آگے کے تین سالوں میں بھی کلاس پنجم تک اسی کو ترجیح دی جائے گی اور اس سے آگے یعنی کلاس ششم سے سہ لسانی فارمولہ اس طرح چلے گا کہ دو زبانیں ہندوستانی ہی رہ سکیں گی اور سنسکرت زبان اپنے بے شمار فضائل کے ساتھ یہاں سے اعلی تعلیم تک ساتھ ساتھ رہے گی، روایتی مضامین کے ساتھ ان میں گاؤں کے پیشے، ہنر، تجربے، ناچ گانے اور زیادہ سے زیادہ پراچین کال کی چیزیں بھی داخل رہیں گی، قدیم بھارت عہد وسطی کو پھلانگ کر جدید بھارت سے مل جائیگا اور عالمی گاؤں کیلئے قدیم بھارت کی اچھائیوں کو درشایا جائے گا، سکنڈری تعلیم میں مضامین کی الگ الگ راہیں نہ ہوں گی، یعنی سائنس پیشے و حرفے سے اور سماجیات وریاضیات فنون لطیفہ سے گلے مل رہے ہوں گے، امتحان تیاری کر کے نہیں، سمجھ کر دیئے جائیں گے اور پاس ہونے کی راہیں کھلی رہیں گی، تو اس طرح یہ دستاویز پاؤں کے ناخن سے سر کے بال تک بدلاؤ پیش کر رہا ہے، نام بھی الگ، ادارے بھی الگ، تصور بھی الگ، دورانیہ بھی الگ، تو بہت کچھ الگ ہے اور یہی اس پالیسی کا کمال ہے۔

اعلی تعلیم:

ملک میں اس سے قبل دو تعلیمی پالیسی 1968 اور 1986 میں آئی تھیں، 1992 میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں، ان سے ہٹ کر وقتاً فوقتاً بھی قوانین اور ضوابط نافذ ہوتے رہے اور اب تعلیمی پالیسی 2020 آئی ہے، نئی پالیسی پچھلی پالیسیوں کا تسلسل ہوتی ہے اور سابق اہداف کے تجربات کا جائزہ لیتے ہوئے نئی راہیں اور اہداف طے ہوتے ہیں؛ لیکن یہ تذکرہ اس پالیسی میں تقریباً مفقود ہے، فاؤنڈیشن، پریپیریٹری، مڈل، اور سکنڈری تک ۱۸؍سال کی عمر میں بارہویں مکمل ہونے کے بعد، گریجویشن کی تعلیم کیلئے ہے، جس کے بعد ایم اے یا پوسٹ گریجویشن صرف ایک سال کا ہوگا اور تین سال کی صورت میں ایم اے دو سالہ کرنا ہوگا، ایم اے کے بعد پی ایچ ڈی ہوگی، ایم فل ختم ہو جائے گا، گریجویشن کی تعلیم نامکمل چھوڑنے والوں کو بھی اسناد دی جائیں گی، صرف ایک سال پر سرٹیفکیٹ، دو سال پر ڈپلومہ کی سند دے کر رخصت کر دیا جائے گا اور ادھوری تعلیم کے بعد ان کی پونجی یعنی کریڈٹس بینک میں محفوظ رکھ کر اپنی سہولت سے بعد میں اسے آگے پورا کیا جا سکے گا، ایک مضمون کے تعلیمی اداروں پر بندش ہوگی، لہٰذا میڈیکل، مینجمنٹ، انجینئرنگ اور قانون کے اداروں میں بھی سماجی علوم وغیرہ پڑھائے جائیں گے، ایسے ہی کالج کھولے جائیں گے جہاں مختلف اور متعدد مضامین کی تعلیم ہوگی، تعلیمی ادارے بورڈ آف گورنرس یعنی منتظمہ کمیٹی بااختیار ہو کر چلائے گی، وہی کمیٹی اساتذہ کی تقرری، داخلے اور فیس وغیرہ کے فیصلے کرے گی، اعلی تعلیم کے مضامین میں ہندوستانی ثقافت اور علاقائی و دیہی زبان وغیرہ کے ساتھ سنسکرت، یوگا اور پراچین بھارت کی بہت سے چیزوں کو شامل کیا جائے گا، غیر ملکی اعلی تعلیمی ادارے ملک میں آئیں گے اور مذکور طریقہ پر تعلیم چلائیں گے، پرائیوٹ اداروں کی ہمت افزائی کی جائے گی اور وہ اسکالرشپ دیں گے، اس طرح ان کا کنٹرول بڑھے گا، ریسرچ کے انتظامات کیلئے ایک نیا ادارہ بنے گا، قانون اور میڈیکل کے علاوہ دیگر تعلیم کیلئے موجودہ الگ الگ انتظامی اداروں کی جگہ اب ایک ہی ادارہ رہے گا، یعنی ٹیکنیکل، فاصلاتی اور روایتی تعلیم کا نظم دیکھنے کے الگ الگ ادارے باقی نہ

رہیں گے، اور تعلیم پر خرچ کرنے کیلئے ملکی بجٹ سے جی ڈی پی کا ۶ رفیصد خاص کیا جائے گا، تو یہ چند مزید باتیں تھیں، ان باتوں اور ان کی تہوں پر غور کرنے سے بہت کچھ سامنے آئے گا۔

عوامی رابطہ:

ملک کی نئی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ء ایک پالیسی یعنی ایک منصوبہ، تصور اور سوچ ہے، اس میں اہداف ہیں اور ان کو حاصل کرنے کی راہیں دکھائی گئی ہیں، خود یہ قانون نہیں ہے، اس منصوبہ کی روشنی میں قوانین بنیں گے، فیصلے ہوں گے، ادارے بنائے جائیں گے، اور اقدامات کئے جائیں گے، اس کا آغاز ہو بھی چکا ہے، مثلاً اب اس وزارت کا نام فروغ انسانی وسائل کی جگہ وزارت تعلیم ہو گیا ہے، یہ منصوبہ جب مجوزہ مسودہ بن کر آیا تھا، تب عام لوگوں سے رائیں اور مشورے مانگے گئے تھے، کافی لوگوں نے تجاویز بھیجی تھیں، مسلم تنظیموں، اداروں اور افراد نے بھی اپنی میٹنگیں، پروگرام اور مباحثے کر کے اچھی تجاویز ارسال کی تھیں، اس منصوبہ کو منظوری سے پہلے پھر بحث اور غور کیلئے سامنے لایا جانا چاہئے تھا، تب کھل کر سامنے آتا کہ کن تجاویز کو قبول کیا گیا ہے، اور کن مشوروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، اور کیوں؟ یہ بھی معلوم ہوتا کہ اب اس میں کہاں کہاں اور کیا کیا خامیاں ہیں؟ لیکن ایسا نہیں کیا گیا، اور اسے کیبنٹ سے منظور کر لیا گیا، ماہرین کے مطابق کئی مشورے قبول کئے گئے ہیں، مثلاً ہندی میڈیم میں لازمی تعلیم ہٹالی گئی ہے، لیکن گھما کر وہ بات مادری زبان یا علاقائی زبان میں تعلیم دینے کی کہی گئی ہے، البتہ 'جہاں ممکن ہو' کا لفظ لایا گیا ہے، لیکن بہت سی کمیاں اس میں موجود ہیں اور سب سے اہم یہ کہ بہت سی باتیں واضح نہیں کی گئی ہیں، مبہم باتوں نے شکوک اور سوالات پیدا کر دیئے ہیں، اس منصوبہ میں کئی باتیں مفید ہیں اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے گا، ہم بھی ان سے فائدہ کا ذہن بنا سکتے ہیں، مثلاً اسکول میں مادری زبان میں تعلیم بچوں کیلئے تعلیم کو سہل بنائے گی، تو شاید ہم اردو کو مضبوط کر سکتے ہیں، آنگن واڑی تعلیم میں گاؤں اور دیہی علاقوں کے چھوٹے بچوں کو ابتدائی تربیت اور صحت وغذا سے جوڑا جا سکتا ہے، اس میں مقامی افراد کے ذریعہ رہنمائی اور تعاون کا نظام بنایا جا سکتا ہے، مڈل اور سیکنڈری سطح میں فارن لینگویج کے تحت عربی زبان کی تعلیم اپنانے کی صورت پر غور کیا جانا چاہئے، اس مرحلہ میں ہنر اور پیشیوں کی تعلیم دی جائے گی، تو اس سے بچوں کو آراستہ کر کے آئندہ کاروبار کی راہیں بنائی جا سکتی ہیں، ہمیں یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ تعلیم ہی ترقی اور سمجھ کی کنجی ہے، اور تعلیم دنیا میں بامقصد زندگی گزارنے کیلئے ہے، تو اسکول سے لے کر اعلی تعلیم تک میں جتنی سہولیات آئیں گی وہ سب کیلئے مفید ہوں گی، محنت، ذہانت اور قابلیت پر کسی دوسرے کا کنٹرول نہیں ہے، اور قابلیت کو سراہنے پر دنیا مجبور ہے، ہم عہد اور کوشش کریں کہ ہر فرد کی تعلیم اور ہر گھر کی تعلیم ہو، مکمل اور معیاری تعلیم ہو اور آگے بڑھ کر امکانات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

ملت کا تناظر:

اس وقت جدید تعلیمی پالیسی سے متعلق باتیں اور رائیں سامنے آرہی ہیں، ملت کے تناظر میں اس پر متوازن انداز سے دیکھنے کی ضرورت ہے، اس پالیسی کا مطالعہ دو رخ سے کیا جائے گا، ایک یہ کہ ملک کا تعلیمی ڈھانچہ اب کدھر جا رہا ہے، اور وہ کہاں تک ملک کی مجموعی ترقی کیلئے مفید ہے، دوسرا رخ یہ ہوگا کہ ملت مسلمہ کیلئے اس پالیسی سے کیا امکانات اور خدشات وابستہ ہیں، دونوں رخ سے مطالعہ ہماری ذمہ داری اور ہماری حصہ داری ہے، یہاں ہماری بات دوسرے رخ سے زیادہ متعلق ہے کہ اختصار کے موقع پر یہی ضروری ہے، مفید امکانات کے کچھ پہلو بیان کئے جا چکے ہیں، اب کچھ اشارے خدشات کی جانب کئے جاتے ہیں۔

تاریخ کسی قوم کی مایہ ہوتی ہے، اور وہی مستقبل کیلئے مہمیز بھی کرتی ہے، اور وہی پست ہمت اور نابود بھی کر دیتی ہے، ملک میں ہزار برس کی شاندار مسلم تاریخ نے ملک کو متحد، محفوظ، مضبوط، تمدنی ورثہ سے مالا مال اور سونے کی چڑیا بنایا، یہ پوری تاریخ اب غائب ہی نہیں کلنک کا داغ بنائی جائے گی، پراچین بھارت کے بعد صرف موجودہ بھارت ہے، درمیان کی تاریخ کا ذکر نہیں ہے، یورپ نے بھی یونانی عہد کے بعد نشاۃ ثانیہ میں چھلانگ لگائی تھی اور علوم وافکار وتمدن کی منتقلی، ترقی اور ایجادات کے حیرت انگیز مسلم دور پر پردہ ڈال دیا تھا، تو موجودہ یورپ اور مغرب نیز جدید دنیا مسلم حصہ داری سے مجرمانہ اور تجاہلانہ غافل بنی ہوئی ہے، ملک کی بابت یہ خدشہ اس پالیسی سے منظّم ہوکر سامنے آیا ہے۔

تعلیم انسان کو اقدار سے آراستہ کرتی ہے اور بیشتر اقدار مذاہب کا مشترکہ سرمایہ ہوتے ہیں، کچھ اقدار مخصوص مذہبی رنگ رکھتی ہیں، اس پالیسی میں کھلے طور پر ان دونوں طرح کی اقدار کو زعفرانی رنگ دے دیا گیا ہے، مشترک اقدار کو بھی ایک مذہبی اصطلاح کا لباس پہنا دیا گیا ہے، مذہبی رنگ میں اصطلاحات کی کثرت تو کبھی قاری کو حیران بھی کر دیتی ہے کہ یہ کسی تکثیری سماج کا منصوبہ کیسے ہوسکتا ہے، تو کھل کر اس کا اظہار بہت کچھ کھل کر بتا رہا ہے، افراد ملت کی عقائدی اور تہذیبی شناخت ان کے وجود کا جوہری عنصر ہے، اس کی بقاء سنجیدہ سوچ کی متقاضی ہے، یہ رنگ بچپن کی ابتدائی تربیت اور تعلیم کے رگ رگ میں بھرنے کی کوشش صاف طور پر پالیسی میں ہے، اعلی تعلیم میں اس رنگ کی ہر طرح ہمت افزائی کی جائے گی، سنسکرت، یوگا، مذہبی ثقافت اور پراچین بھارت کی عظمت، تعلیم اور ریسرچ کے سنہرے موضوعات ہوں گے، تو افراد ملت کو ان میں اپنے سرمایہ سے وابستہ رہنے کی راہیں ڈھونڈنی ہوگی، تعلیم کو سستا بنانے کی بات تو کی گئی ہے، لیکن نجی اداروں کی حوصلہ افزائی اور بیرونی اداروں کی آمد نیز موجودہ سماج کی ذہنیت کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیم کے مزید مہنگی ہونے کا قومی امکان ہے، جس سے غریب سماج کی تعلیم مزید دشوار ہوگی، اور تعلیم سے دوری تباہی پر مہر لگا دے گی، تو اس میں سب کی تعلیم اور اچھی تعلیم کا منصوبہ لانا ہوگا، اس پالیسی کے لحاظ سے تعلیم کے نظم وانتظام کو مرکزی کنٹرول میں دیا جا رہا ہے، اور وہاں بھی فیصلہ اور قوت کا ارتکاز کیا جا رہا ہے، تو مخفی اور کھلے عزائم شدت سے نافذ ہوں گے، مسلم زیر انتظام تعلیمی اداروں پر بھی نگرانی اور ان سے پابندی کرانے میں شدت پیدا کی جائے گی، تو وہ اپنے دستوری تحفظات اور اختیارات کس طرح استعمال کرسکیں گے، اس پر پیش بینی کی ضرورت ہوگی، اب دو باتیں ذہن میں تازہ رکھئے: پالیسی کی رخ بندی کافی واضح ہے، تو اس کے خدشات بلکہ نقصانات پر ملت کے افراد کو سنجیدہ اور متحدہ موقف طے کرنا چاہئے اور پوری قوت کے ساتھ ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے دوسرے یہ کہ وقت کی رفتار کو بھانپتے ہوئے جہاں جہاں امکانات موجود ہیں، ان میں نئی راہیں نکالنے پر غور اور عمل کی بھی منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔

نئی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ء کی چند باتیں بہت نمایاں ہیں، اس کو تیار کرنے والی سرکار کے عزائم واضح ہیں، آر ایس ایس کی ساٹھ فیصد تجاویز شامل کر لی گئی ہیں، اس پالیسی کو منظوری کیلئے مباحثہ میں نہیں پیش کیا گیا، اس کا اصل منظور کردہ مسودہ سامنے لانے کے بجائے ایک مختصر مسودہ لوگوں میں ڈال دیا گیا ہے کہ اسی میں سب الجھے رہیں، پالیسی میں درج ہے کہ اس کا مقصد پراچین بھارت کی سنسکرتی، طور طریقے، تعلیم، شخصیات اور کارنامے نئی نسل کو پڑھانا ہے، تو آنگن واڑی کے مرحلہ میں ہی ۶/ ماہ ایک سال کی خصوصی تربیت والے اساتذہ کے ذریعہ کچی عمر کے بچوں کو اس رخ اور راہ پر ڈالا جائے گا، اس میں رضا کاروں سے بھی تعاون لیا

جائے گا، یعنی ان کے کارندے یہاں قانونی دخل انداز ہوں گے، ابتدا سے اعلی تعلیم اور ریسرچ تک اسی طرح کے مضامین کی ہمت افزائی ہوگی اور کچھ مضامین لازمی بنیں گے، سرکار کا انداز کار بزور اور بہ دھوکہ اپنے منصوبے نافذ کرنا رہا ہے، اور اپنی تائید کیلئے افراد خریدے، ڈرائے اور لبھائے جاتے رہے ہیں، تو وہ سب اس پالیسی پر عمل کرانے میں ہوگا، نجی اداروں اور بیرونی اداروں کیلئے آسانیاں پیدا کی گئی ہیں، تو ان کے یہاں تعلیم مہنگی رہی ہے اور رہے گی، اور معاشی طور پر کمزور افراد تعلیم سے محروم ہوں گے، ملک کی بڑھتی تعلیمی ضرورت سرکار نہیں پوری کرے گی، بلکہ نجی ادارے کریں گے تو جس ملک اور قوم میں تعلیمی پسماندگی ہے وہاں ناخواندگی بے تحاشا بڑھے گی، تعلیمی اداروں کی منظوری اور نگرانی پر مرکز کی گرفت سخت کی گئی ہے اور وہ وزیر اعظم کے تحت لائی گئی ہے، تو اس منشاء کو پورا کرنے والے ہی تعلیمی ادارے چلا سکیں گے، پالیسی میں دعوے بلند بانگ کئے گئے ہیں کہ صرف انہی الفاظ کو سننے والے خوش ہو جائیں، ساتھ میں وہ باتیں بھی لکھ دی گئی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں، بہت سی جگہوں پر ابہام اور الجھاؤ چھوڑ دیا گیا ہے جہاں مزید خدشات اٹھتے ہیں، تصورات میں تضادات کی صورت ہے اور پراچین بھارت اور ایک مذہب کی اصطلاحات کثرت سے لائی گئی ہیں۔

اب ان باتوں کے بعد ہم امت مسلمہ کے سامنے چند قابل فکر باتیں ہیں، یہ صورت حال غیر متوقع نہیں ہے، ہماری نسل کے باحوصلہ مرد خواتین اس کیلئے بیدار اور ذہنی طور پر تیار ہیں، تاریخ ایسے ہی بنتی ہے، محنت وحوصلہ اور متحدہ کوشش کامیابی لاتی ہی ہے، تو ہم مایوس نہیں پر عزم ہیں، ہمارے سامنے تعلیم کے تین میدان ہیں: دینی مدارس کی تعلیم، مسلم زیر انتظام اداروں میں تعلیم اور عام نجی وسرکاری اداروں میں تعلیم، ان تینوں میدانوں کیلئے منصوبہ بندی کچھ سابق تجربہ اور کچھ موجودہ امکانات کی روشنی میں کرنی ہے، یہ راستے بند نہیں ہیں اور اچھی منصوبہ بندی کے امکانات موجود ہیں، دستوری قانونی حقوق کے تحت ہمیں ملک میں سب کی تعلیم اور اچھی تعلیم کے نعرہ کے ساتھ کچھ مطالبات کرنے ہوں گے اور مضبوط ومتحدہ موقف پر اصرار کرنا ہوگا، یہ دو طرح کے ہوں گے: سب کے لئے سستی اور اعلی تعلیم پر مبنی مطالبات اور اقلیتوں کو اپنی پسند کی مذہبی ولسانی تعلیم پر مبنی مطالبات اور سب سے اہم یہ ہے کہ موجودہ امکانات کے تحت کثرت سے اور ہر سطح کے تعلیمی اداروں کا قیام کیا جائے، اس کیلئے افراد، وسائل، سوچ، اور جذبہ سب موجود ہیں، ان کو یکجا کرنے کا وقت آیا ہوا ہے، ہم یاد رکھیں کہ اب وقت بدلا ہوا ہے، دنیا ہی بدلی ہوئی ہے، پہلے بھی وقت بدلا گیا ہے، یہی قانون قدرت بھی ہے، تو ذہن کے دروازے زیادہ کھول لیں، قدیم کی عظمت واحترام کے ساتھ نیا جلد اپنا لیں، دینی روح اور شرعی اصولوں کی بنیاد پر نظام، نصاب اور نہج طے کر لیں۔

پالیسی کے متوقع نتائج:

ملکی دستور میں سب کیلئے تعلیم اور سائنسی ذہن پیدا کرنے کی بات بے انتہا اہم رکھی گئی ہے، نئی تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ء میں کئی جگہ الفاظ تو یہی لائے گئے ہیں؛ لیکن پالیسی کی پوری تفصیل اس کے خلاف ہے اور یہی اس پالیسی کی پہچان ہے، یعنی دعوے کچھ اور کام دیگر، دیومالائی کہانیوں اور تاریخ میں گم مذہبی اصطلاحوں اور پراچین کال کی بھول بھلیوں میں واپس لے جانے سے کیا سائنس کی موجودہ ترقیوں سے ہم آہنگی پیدا ہوسکتی ہے؟ کجا کہ سائنسی جستجو اور تردید وتنقید کا ذہن بنے، جدید اصلاحی اور تعلیمی تحریکات، اور بھارت کی تعمیر کرنے والے عہد وسطی اور عہد جدید کے ہمارے آدرش پرشوں کے نظریات کو پڑھے بغیر تعلیمی ترقی کا

کون سا ذہن تشکیل پا سکتا ہے؟ خیالات کی آزادی اور جمہوری روح کی پرورش کیا جدید دنیا کو پڑھے بغیر بھی کی جا سکتی ہے؟ موجودہ پالیسی ان تصورات کو بری طرح مجروح کر رہی ہے، غریبی سے جوجھ رہے اس ملک میں موجودہ مہاماری کی خطرناک غربت کے موقع پر بھی سرکار نے تعلیم کی ذمہ داری اٹھانے سے ادائے معشوقانہ کے انداز میں پلہ جھاڑ لیا ہے۔

غور کیجئے! آنگن واڑی میں تین سال کی تعلیم کیلئے وہی دسویں تعلیم والے اساتذہ ہوں گے، رضا کاروں کی مدد لی جائے گی اور ساتھی طلبہ ایک دوسرے کو پڑھائیں گے، تو نئے اور ماہر اساتذہ کی ضرورت ختم ہوگئی اور ایسے اساتذہ کو نوکری بھی نہیں مل پائے گی، اسکول اپنے وسائل ایک دوسرے سے بانٹیں گے، تو گویا ہر جگہ اسکول کی ضروریات پوری نہیں کی جائیں گی اور بچے کچھ تعلیم یا اکٹیویٹی کیلئے اپنے اسکول سے دور کے دوسرے اسکول جانے پر مجبور ہوں گے، تو ان کی تعلیم خراب ہوگی اور اس پر پردہ ڈالنے کیلئے اب تعلیمی مضامین کے برابر ہی دوسری چیزیں جیسے کھیل کود، ڈانس، فلم بینی اور صحت وغیرہ رپورٹ کارڈ میں شامل کر کے اچھا نتیجہ دکھایا جائے گا، خواہ بچے اصل مضامین میں بودے ہو جا رہے ہوں، آگے بھی ایسے بچوں کا امتحان کا خوف نہیں رہے گا، تو تعلیمی قابلیت کا ستیاناس مزیدار طریقہ پر کیا جاتا رہے گا، یہ بچے کون ہوں گے؟ وہی غریب کمزور اور چھوٹی ذاتوں واقلیتوں کے بچے جنکی اکثریت ہے، پرائیوٹ تعلیمی اداروں کو ترغیب دی گئی ہے، مالدار گھرانوں کو اس کیلئے قانون حق تعلیم جس میں تعلیم کے معیارات اور وسائل پر سختی رکھی گئی تھی، اس میں ڈھیلا پن لانے کا یقین دلایا گیا ہے، اسکول کے انتظام اور اساتذہ کی تقرری ان کی مرضی کے مطابق ہوگی، تو ایسی صورت میں یہاں صرف خوشحال افراد کی تعلیم ہو سکے گی۔

اعلی تعلیم کو تو اس طرح زک اور زد پہنچایا جا رہا ہے کہ پھر کوئی آہ بھی نہ کر سکے اور ان کی نسلیں غلامی میں چلی جائیں، اس پالیسی کے مطابق اب جو افراد اپنی غربت اور دیگر پریشانیوں کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ جاری نہیں رکھ پائیں گے، ان کو منصوبہ بند طریقہ سے آئندہ محروم بنا دینے کا انتظام کر لیا گیا ہے، ایک سال پر تعلیم چھوڑنے والے کو سرٹیفکیٹ دے کر کالج اور سرکار نے اپنا پلہ جھاڑ لیا ہے، دو سال پر ڈپلومہ کا کاغذ دے کر انھیں الوداع کہہ دیا گیا ہے، کیا اس ناقص ڈگری پر ان طلبہ کو کہیں نوکری مل سکے گی؟ یہ سرٹیفکٹ اور ڈپلومہ تو کسی خاص مضمون کا بھی نہیں ہے کہ اس کی اہمیت ہو، یہ محض گریجویشن کی چھوٹی تعلیم ہے اور یہ طلبہ کیا پھر اس حیثیت میں آپائیں گے کہ تعلیم آگے بڑھا سکیں؟ تو ایسے طلبہ کی بھاری تعداد اعلی تعلیم سے پیچھے رہ جائے گی، اور سرکاری کاغذ پر ڈراپ آؤٹ زیرو ہوگا تو یہ بھی اس پالیسی کی خاص پہچان ہے۔

ریسرچ کسی قوم کی ترقی کیلئے ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے، موجودہ پالیسی میں یہ ایک بندھوا مزدور بن گیا ہے، ذرا غور کیجئے! پورے ملک کے ریسرچ پر نگرانی کیلئے ایک علاحدہ انتظامی ادارہ بنایا گیا ہے جو وزیر اعظم کے ماتحت ہوگا، اب آپ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اس ادارہ کے ذریعہ کیا ریسرچ ہوگا، اور کن تحقیقات کے دروازے بند ہو جائیں گے، گذشتہ چند برسوں کی تصویر نظر میں لے آیئے، سچ، سوال، تنقید، تردید اور تحقیق کے بغیر صرف طوطے کی آواز دوہرانے سے ریسرچ کا کیسا معیار بنے گا اس کا اندازہ لگا لینا چاہیے اور سب سے اہم بات یاد کر لیجئے، پچھلے برسوں میں تعلیم کے کتنے اعلی ادارے قائم ہوئے، کتنے اسکول کھولے گئے، تعلیم پر کتنا خرچ کیا گیا، تعلیمی اداروں میں فکر وتحقیق رکھنے والے کتنے افراد کو عہدے دیئے گئے، اداروں کی سربراہی طے کرنے کا معیار کس قابلیت کو بنایا گیا اور تعلیمی اداروں میں جمہوری قدروں اور تعلیمی تحقیق کی کس روح کو پروان چڑھایا گیا؟ بس ماضی کے

برسوں کی یہی روایت آگے کی ہر شکل درشادے گی، اس تعلیمی پالیسی مسودہ کو لائن لائن اور حرف حرف پڑھئے، نشانات لگایئے، اور دیکھئے کہ اس کے چمکتے الفاظ کے پہلو بہ پہلو ہی اور اس کی لائنوں میں ہی کیا کچھ لکھ دیا گیا ہے، زیادہ تر صاف اور بہت سی جگہ اشاروں میں پڑھئے اور خود واقف بنئے اور دوسروں کو واقف کیجئے۔

راہ عمل:

قومی تعلیمی پالیسی پر اب کافی لوگوں نے نظر ڈال لی ہے، اور متعدد اچھی تحریریں اور سنجیدہ رائیں سامنے آئی ہیں، پالیسی ملک کے مفاد کیلئے غیر سنجیدہ، بھاری اکثریت کو تعلیم سے محروم کر دینے والی، تحقیق وفکر کو ختم کرنے والی، طبقاتی تقسیم اور انسانوں میں نفرت بونے والی اور ایک مذہب کو تھوپنے والی ہے، مخصوص پلاننگ سے بھری اس ضخیم پالیسی کو ابھی مزید گہرائی سے پڑھنے اور نقصانات کو سامنے لانے کی ضرورت ہے اور ملک کے مخلص سنجیدہ لوگ اس میں لگے ہوئے ہیں، آپ بھی اس پالیسی کو خود پڑھیں اور مستند طریقہ پر خود باخبر بنیں، اس پالیسی کی تباہ کاریوں اور نئی نسل کی غلامی کے منصوبوں کے خلاف آوازیں اٹھنی شروع ہوگئی ہیں، لکھنے والے الگ الگ خطرات اور نقصانات پر لکھیں گے اور ملک وملت کو بچانے کی کوشش کریں گے، آپ بھی ملک کے مفاد اور قوم کی بہتری کیلئے اپنی خدمات پیش کریں، بہت سے کام اور اشتراک آپ کر سکتے ہیں، تو سوچیں اور کریں۔

اس پالیسی کے تئیں اور ملک وملت سے وابستہ مسائل کے تئیں ہمیں ایک ساتھ دو کاموں کی ضرورت رہتی ہے، اور دونوں کرنا ضروری ہے، ملت کے اندر یہ دونوں کام بانٹ لینا زیادہ مناسب ہوتا ہے، اس تعلیمی پالیسی ۲۰۲۰ء کا بڑا حصہ ملکی مفاد کے خلاف ہے، تعلیم کا نصاب اور طریقہ ذہنوں کو ترقی سے پیچھے کر دے گا، خوشحال طبقہ کے سوا ملک کی اکثریت اچھی تعلیم سے محروم رہ جائے گی، سرکار کی تعلیمی ذمہ داری کم اور ختم ہو جائے گی، قابل اساتذہ کو نوکری نہیں ملے گی، غربت مزید بڑھ جائے گی اور سائنسی ترقی اور معیار میں ملک پیچھے ہوتا چلا جائے گا، یہ سارے نمونے پچھلے چند برسوں میں دیکھے جا چکے ہیں، اور ابھی کرونائی دور میں اسکول کی آٹھویں، نویں، دسویں کلاسز کی نصابی کتابوں سے سائنسی اور جمہوری اقدار کے اسباق نکال کر مخصوص چیپٹرس شامل کر کے تبدیلی اور عزائم کا اندازہ کرا دیا گیا ہے، تو یہ سارے کام ملکی مفاد کے ہیں، ملک کے لوگ مل کر کام کریں گے، ہم اس میں ساتھ ہوں، آگے بڑھیں اور ملت کے کچھ افراد ادارے اسی کام کو کریں، ہماری خراب کی جانے والی شبیہ اس سے اچھی ہوتی ہے اور یہ ہماری ذمہ داری بھی ہے، ملک کی ترقی ملک کے تمام لوگوں کی ترقی ہے۔

پھر یہ پالیسی مذہبی اقلیتوں کو زک پہنچا رہی ہے، امت مسلمہ کو خصوصی نقصان میں لا رہی ہے، مذہبی تعلیم، مذہبی عقیدہ، اور مذہب مرکوز تہذیبی شناخت کیلئے سخت خطرات پیدا کر رہی ہے، ہمارے پچھلوں نے اپنے وقت میں ملت کے ایمان وعقیدہ اور تہذیب وشناخت کی حفاظت کے لئے بہت کچھ کیا، اب آج ہم کو کرنا ہے، جب ہی ہم اور آنیوالی نسل مسلمان باقی رہے گی، ہمارے دستور نے جو تحفظ دیا ہے، اس کی روشنی میں مسلم اقلیت کیلئے خطرات کو سامنے لائیں اور کچھ افراد ادارے اس کام کو ہی بصیرت ومحنت سے انجام دیں، تو یہ دونوں کام اس وقت ضروری ہیں، اپنی صلاحیتوں اور امکانات کے لحاظ سے ہم کام منتخب کر سکتیں، دونوں ہمارے کام ہیں، دونوں ملک کے مفاد کیلئے ضروری ہیں اور دونوں ملت کی بہتری کیلئے ضروری ہیں اور سیاسی قوت ان سب کی کنجی ہے، کاش کہ جلد ہم سمجھ لیں اور اتحاد کی قوت ہر ممکن پیدا کر کے اس کنجی میں حصہ دار بن جائیں، پہلے تھے، پھر بن سکتے ہیں۔ (بشکریہ ندائے اعتدال)

فقہ جدید

بینک انٹرسٹ کے مصارف

مفتی امانت علی قاسمی استاذ دار العلوم وقف دیوبند

سود کی حرمت قرآن وحدیث میں جس قدر بیان کی گئی ہے اس سے ہر ایمان والا واقف ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:"وذروا مابقی من الربا ان کنتم مومنین"۔(سورہ بقرہ:۲۷۵)

''اور جو کچھ سود کا بقایا ہے، اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو'' اور جو لوگ سود سے باز نہیں آتے ان کے بارے میں اللہ تعالی نے جنگ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:"فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللّٰہ ورسولہ"۔(سورۃ البقرۃ:۲۷۹)

''لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ'' اسی طرح حدیث میں سود کی قباحت کے سلسلے میں حضرت عبید اللہ بن حنظلہ کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کا ایک درہم جو انسان جان بوجھ کر کھاتا ہے، ۳۶ رمرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔(سنن دار قطنی، کتاب البیوع ۴۰۳/۳، حدیث نمبر:۲۸۴۳)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''سود کے ستر اجزاء ہیں، جن میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے''۔(سنن ابن ماجہ، باب التغلیظ فی الربا ۳۷۷/۳، حدیث نمبر:۲۲۷۳)

مال حرام کا حکم:

مال حرام کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم ہے اور وہ بلا عوض حاصل کیا گیا ہے جیسے سود، رشوت، چوری وغیرہ کا مال تو اس کے مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر مالک وفات پا گیا ہے تو اس کے ورثہ کو لوٹانا ضروری ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو بلا نیت ثواب مستحق زکوۃ کو صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر وہ بالعوض حاصل کیا گیا ہے جیسے حرام ملازمت وغیرہ کے ذریعہ سے حاصل ہوا تو مالک کو واپس کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ اس کو بلا نیت ثواب صدقہ کرنا ہی ضروری ہے، باقی مال حرام کسی کو استعمال کے لیے دینا جائز نہیں اور نہ اس کی وجہ سے وہ مال پاک ہوگا، اسی طرح حرام رقم اصول وفروع کو صدقہ نہیں کر سکتے ہیں، لہذا باپ بیٹے میں سے کوئی مستحق ہو تب بھی اسے حرام رقم نہیں دی جا سکتی ہے۔

سود کے مصارف:

سود کے مال کی بھی علماء نے تین مصارف بیان کیے ہیں ایک تو یہ کہ اگر مالک معلوم ہو تو مالک کو واپس کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ اگر مالک معلوم نہ ہو یا مالک کو واپس کرنا ممکن نہ تو بلا نیت ثواب صدقہ کر دیا جائے، تیسرے یہ کہ بعض حضرات نے رفاہی کاموں میں بھی لگانے کی اجازت دی ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے رفاہی بیت الخلاء حتی کہ مسجد کے بیت الخلاء میں لگانے کی بھی اجازت دی ہے، اسی طرح سڑک بنانے، یا مسافر خانے بنانے کی بھی اجازت دی ہے؛ جب کہ بعض علماء کی رائے ہے کہ سود کی رقم کو اس طرح صدقہ کرنا ضروری ہے کہ خود صاحب مال کو اس سے کسی طرح کا انتفاع نہ ہو جب کہ رفاہی کاموں میں لگانے میں خود صاحب مال بھی اس سے منتفع ہو سکتا ہے، مسجد کے

بیت الخلاء میں لگانے کی صورت میں خود بھی اس مال سے مستفید ہوسکتا ہے، اس طرح مال حرام سے یا سودی مال سے فائدہ اٹھانا لازم آئے گا، خاص کر مسجد جیسی مبارک اور مقدس جگہ کے کسی حصے میں بھی ناپاک مال یا حرام مال کا لگانا مناسب نہیں ہے؛ اس لیے سودی رقم کو مسجد کے بیت الخلاء میں لگانا بھی درست نہیں ہے۔ **العرف الشذی میں ہے:** ''احدهما ائتمار أمر الشارع والثواب عليه، والثاني: التصدق بمال خبيث، والرجاء من نفس المال بدون لحاظ رجاء الثواب واما رجاء الثواب من نفس المال فحرام بل ينبغي لمتصدق الحرام أن يزعم بتصدق المال تلخيص رقبته ولايرجوا الثواب منه، بل يرجوه من ائتمار أمر الشارع''۔ (العرف الشذی شرح سنن الترمذی:۱/۳۸)

بینک انٹرسٹ کا مصرف:

سود کی ایک صورت بینک انٹرسٹ ہے، بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں جو پیسے جمع کیے جاتے ہیں، اس پر بینک کی طرف سے جو متعین اضافہ ملتا ہے وہ بھی سود ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ بینک سے وہ اضافی رقم وصول کر لی جائے اور بلانیت ثواب صدقہ کر دی جائے، البتہ اگر کسی طرح بینک کو ہی واپس کرنا پڑے جس میں بظاہر اپنا کوئی فائدہ وصول نہ کیا گیا ہو، تو یہ بھی جائز ہے: ''ويردونها على اربابها ان عرفوهم والاتصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق اذا تعذر الرد على صاحبه''۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، ۹/۵۵۳)

قال شيخنا ويستفاد من كتب فقهائنا كا لهداية وغيره ان من ملك بملك خبيث ولم يمكنه الرد الى المالك فسبيله التصدق على الفقراء، قال والظاهر ان المتصدق بمثله ينبغي ان ينوى به فراغ ذمته ولايرجو به المثوبة۔ (معارف السنن: ابواب الطہارۃ، ۱/۳۴)

بینک سے نکالنے کے ضروری ہونے کے سلسلے میں مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں: سود کا پیسہ بینک میں چھوڑ دینے سے خطرہ بظن غالب ہے کہ وہ لوگ اپنے مذہبی کاموں کے فراغ میں خرچ کریں یا ایسے کاموں میں خرچ کریں جس سے مسلم قوم کو من حیث القوم مسلم نقصان پہنچے اس لیے بہ نیت حفاظت قوم مسلم یہ حکم دیا جاتا ہے کہ سود کے نام سے جو روپیہ ہے اس کو بینک میں نہ چھوڑا جائے؛ بلکہ وہاں سے نکال کر شرعی ضابطہ کے مطابق اپنی ملک سے نکال دیا جائے۔ (منتخبات نظام الفتاوی ۳/۱۱۲،۹)

بینک سے سودی رقم نکالنے سے پہلے صدقہ کرنا:

بینک کے انٹرسٹ کا حکم معلوم ہو گیا ہے کہ اس کو بلانیت صدقہ کرنا ضروری ہے؛ لیکن بسا اوقات آدمی اپنے اکاؤنٹ میں موجود سودی رقم کو رہنے دیتا ہے اور اپنے پاس سے اتنی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کرنا چاہتا ہے یہ صورت درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ جب تک آدمی بینک سے وہ انٹرسٹ کی رقم نکال نہیں لیتا ہے اس وقت تک اس متعین رقم کا تصدق واجب نہیں ہوتا ہے، اب اگر نکالنے سے پہلے تصدق کر دے تو واجب ہونے سے پہلے تصدق کرنا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہے، اس لیے ضروری ہے کہ انٹرسٹ کی رقم نکال کر اسی مال کا تصدق کرے، ہاں اگر جس کو صدقہ کرنا ہے اس کے اکاؤنٹ میں آن لائن ٹرانسفر کر دے تو اس صورت میں بھی تصدق درست ہو جائے گا۔

انٹرسٹ کی رقم سے بچوں کی فیس ادا کرنا:

بینک انٹرسٹ کی رقم کا حکم بلانیت ثواب تصدق ہے؛ اس لیے اگر بچے کے والدین غریب مستحق زکوۃ ہوں تو ان کے بچوں کو بھی یہ رقم بلانیت ثواب دی جا سکتی ہے جس سے وہ اپنے اسکول کی فیس ادا کریں اسی طرح اگر انٹرسٹ کا حامل شخص خود ہی فیس ادا کر دے تو بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جس طرح زکوۃ میں رقم دینے

کے بجائے کوئی سامان خرید کر دیدے تو بھی زکوۃ ادا ہوتی ہے لیکن بہتر ہے کہ خود فیس ادا نہ کرے؛ بلکہ بچوں کو دیدے تا کہ بچے یا ان کے ماں باپ اپنے طور پر فیس ادا کردیں اس لیے کہ خود فیس ادا کرنے میں کسی حد تک سودی رقم استعمال کرنا لازم آتا ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ مال دے کر اپنا ذمہ فارغ کرلے۔

انکم ٹیکس اور ویٹ ٹیکس میں انٹرسٹ کی رقم دینا:

بینک کا انٹرسٹ کا حکم ماقبل میں ذکر کردیا گیا ہے کہ بلانیت ثواب صدقہ کرنا ضروری ہے اپنے کسی مصرف میں استعمال میں لانا جائز نہیں ہے؛ اسی لیے حکومت کی طرف جن چیزوں کا فائدہ براہ راست صارف کو ملتا ہے اور اس پر حکومت کی طرف سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے اس طرح کے ٹیکس میں بینک انٹرسٹ کی رقم لگانا جائز نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ اس صورت میں خود سود سے فائدہ اٹھانا لازم آئے گا جیسے ہاؤس ٹیکس، یا واٹر ٹیکس وغیرہ البتہ غیر شرعی سرکاری اور غیر واجبی ٹیکس میں انٹرسٹ کی رقم دینا جائز ہے اور غیر شرعی کا معیار یہ ہے کہ ایسا ٹیکس جس کی بظاہر کوئی منفعت ہم کو حاصل نہ ہو رہی ہو مثلاً انکم ٹیکس، سیل ٹیکس ویٹ ٹیکس وغیرہ اس میں بینک انٹرسٹ دینا جائز ہے۔(الربا، مولانا عبیداللہ اسعدی، صفحہ:۲۸۷)

یہاں پر ایک فرق کرنا ضروری ہے کہ اس طرح کے ٹیکس میں انٹرسٹ کی وہی رقم دے سکتے ہیں جو سرکاری بینکوں سے حاصل ہو؛ اس لیے کہ اس صورت میں مالک کو رقم واپس کرکے اپنے ذمہ کو بری کرنا لازم آئے گا یعنی اس صورت میں سرکار کا پیسہ سرکار کو ادا کرکے آدمی حرام مال سے اپنا دامن بچاتا ہے؛ اس لیے یہ صورت جائز ہے لیکن اگر پراویٹ بینک کا سود ہو تو اس صورت میں ان ٹیکسوں میں یہ رقم نہیں دے سکتے ہیں؛ اس لیے کہ یہاں پر مالک کو واپس کرنا لازم نہیں آرہا ہے؛ بلکہ اپنے کسی مفاد کے لیے غیر مالک کو دینا لازم آرہا ہے جو جائز نہیں ہے، البتہ آج کل یہ موضوع حل طلب ہو گیا ہے؛ کیونکہ مکمل طور بینک پراویٹ نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ اس میں حکومت کا شیئر بھی ہوتا ہے، اس لیے یہ ایک دشوار موضوع بن جاتا ہے، ایسی صورت میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ کا اعتبار کرلیا جائے، اگر حکومت کے شیئر زیادہ ہیں تو اس صورت میں ایسے بینکوں کو یہ رقم دینا جائز ہوگا لیکن اگر زیادہ شیئر پراویٹ ہے تو پھر ان بینکوں کی انٹرسٹ کو مذکورہ ٹیکسوں میں دینا جائز نہیں ہوگا، اس سلسلے میں مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں: پہلے چند فقہی ضابطے نقل کردیے جاتے ہیں انہی سے جواب خود بخود متفرع ہوجائے گا۔

(۱) والحاصل أنه علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه۔(شامی ۱۳۰/۴)

(۲) وشمل الرد حكما لما فی جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدی مالكه و ان لم يوجد حقيقة القبض۔(شامی ۱۱۶/۵)

(۳) غصب دراهم انسان من كيسه ثم ردها فيه بلا علم بری و كذا لو سلم اليه بجهة أخرى كهبة أو ابداع أو شراء و كذا لو أطعمه فأكله۔(شامی ۱۱۶/۵)

(٤) ويردونها (ای الاموال الخبيثة) علی أربابها ان عرفوهم والا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه۔(شامی ۲۴۷/۵)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اسٹیٹ بینک یا مرکزی حکومت کے اور جتنے بینک ہیں ان سے سود کی جو رقم ملے اس کو اگر مرکزی حکومت کے کسی غیر شرعی ٹیکس میں دے دے تو ذمہ بری ہو جائے گا جیسے انکم ٹیکس وغیرہ اور اگر مرکزی حکومت کے ٹیکس کے علاوہ صوبائی یا میونسپل بورڈ وغیرہ کے کسی مقامی یا نجی غیر شرعی ٹیکس وغیرہ دیدیا جائے تو ذمہ بری نہ ہوگا؛ بلکہ ایسی صورت میں اس کے

وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء ومساکین پر تصدق کر دینا لازم ہوگا، تصدق بغیر نیت ثواب کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ کر دینا درست نہ ہوگا۔ (منتخبات نظام الفتاوی:۳/۱۲۸)

جی ایس ٹی میں بینک انٹرسٹ کی رقم لگانا:

آج کل حکومت ہر چیز پر جی ایس ٹی اٹھارہ فیصد وصول کرتی ہے جو غیر شرعی ہے اور غیر واجبی ہے، اس لیے کہ ہر خام مال پر جو حکومت ٹیکس وصول کرتی ہے وہ علیحدہ ہے پھر جب مال تیار ہو کر مارکیٹ میں آجاتا ہے تو دوبارہ اس پر جی ایس ٹی کے نام سے رقم وصول کرتی ہے، جس کی وجہ سے عام گاہک پر اس کا سیدھا بوجھ پڑتا ہے، کیوں کہ مال تیار کرنے والا جو حکومت کو مال پر جی ایس ٹی دیتا ہے وہ تاجروں سے وصول کر لیتا ہے پھر تاجر حضرات جو مال بیچنے پر جی ایس ٹی دیتے ہیں وہ گاہک سے لے لیتے ہیں، اس طرح مال بنانے والے اور مال بیچنے والے پر اس کا اثر نہیں پڑتا ہے؛ بلکہ ان کو جی ایس ٹی ریٹرن کے نام پر مزید فائدہ بھی ہو جاتا ہے، اس کا اصل بوجھ استعمال کرنے والے صارفین پر پڑتا ہے، اس لیے اگر کوئی صارف کوئی سامان خریدے اور کمپنی کی طرف سے اس کو صراحت کر دی جائے یا بل پر لکھ دیا جائے کہ یہ مال اتنے کا ہے اور اس پر اتنا جی ایس ٹی ہے تو صارف اس میں بھی بینک انٹرسٹ کی رقم دے سکتا ہے، اس لیے کہ حکومت کا پیسہ حکومت کو پہنچ گیا اور صارف کا ذمہ بری ہو گیا، تو جس طرح انکم ٹیکس میں اس کے غیر شرعی ہونے کی وجہ سے انٹرسٹ کا پیسہ دینا جائز ہے، اسی طرح جی ایس ٹی کے غیر شرعی ہونے کی وجہ سے اس میں انٹرسٹ کا پیسہ دینا جائز ہے۔

جی ایس ٹی میں انٹرسٹ دینے کے سلسلے میں ایک دوسری رائے:

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ فروخت کرنے والا تو جی ایس ٹی میں بینک انٹرسٹ کی رقم دے سکتا ہے؛ لیکن صارف جو سامان اپنے استعمال کے لیے خریدنے والا ہے وہ بینک انٹرسٹ کی رقم کو نہیں دے سکتا ہے مثلاً ایک آدمی آن لائن موبائل بک کرتا ہے اس کی قیمت چودہ ہزار ہے اس میں لکھا ہوتا ہے کہ گیارہ ہزار تو موبائل کی قیمت ہے اور تین ہزار جی ایس ٹی ہے، اس صورت میں استعمال کے لیے خریدنے والا انٹرسٹ کی رقم سے تین ہزار ادا نہیں کر سکتا ہے؛ اس لیے کہ بائع نے جو چودہ ہزار قیمت بتائی ہے وہ سب ثمن ہے اور مکمل اس سامان کی قیمت؛ اس لیے اس میں سود کی رقم دینا گویا سود کو اپنے استعمال میں لانا ہے۔

لیکن یہ مسئلہ محل نظر ہے اس لیے کہ اس صورت میں بائع کے لیے بھی انٹرسٹ کی رقم دینا ناجائز ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ انٹرسٹ کی رقم غیر واجبی ٹیکس میں دیا جاتا ہے جب کہ بائع کے حق میں وہ غیر واجبی رہتا ہی نہیں ہے کیوں کہ وہ جس قدر جی ایس ٹی دیتا ہے وہ خریدار سے وصول کر لیتا ہے، اب اگر اس نے اپنے جی ایس ٹی میں بینک کے انٹرسٹ کی رقم دے دی تو اس بائع کو دوگنا نفع ہو جائے گا، ایک تو سرکار کی طرف سے جی ایس ٹی ریٹرن اس کو ملے گا، دوسرے یہ کہ اس نے اپنے جیب سے دینے کے بجائے انٹرسٹ کے پیسے دیدئے، تیسرے یہ کہ اس نے صراحت کے ساتھ مشتری سے جی ایس ٹی کی رقم وصول کر لی جب کہ یہ بات عقل سے بالکل بعید معلوم ہوتی ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جی ایس ٹی کا اصل بار مشتری پر پڑتا ہے اس لیے غیر واجبی ٹیکس یہ مشتری کے حق میں ہے نہ کہ بائع کے اس لیے کہ بائع نے جی ایس ٹی مشتری سے وصول کر لیا جب کہ مشتری کو جو سامان گیارہ ہزار میں ملنا چاہیے تھا وہ چودہ ہزار میں مل رہا ہے گویا کہ غیر واجبی ٹیکس مشتری کے حق میں پایا جاتا ہے کیوں کہ بائع صاف کہتا ہے کہ سامان کی اصل قیمت تو گیارہ ہزار ہے ہاں جی ایس ٹی کے تین ہزار آپ کو دینے ہوں گے اس لیے

احقر کی رائے ہے کہ یہ غیر شرعی اور غیر واجبی ٹیکس خریدار کے حق میں ہے، ہاں چوں کہ حکومت کا مشتری سے وصول کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے وہ بائع کو مکلّف بناتی ہے کہ وہ مشتری سے یہ رقم وصول کرے اور حکومت کو سامان کے حساب سے جی ایس ٹی ادا کرے یہی وجہ ہے کہ جب حکومت جی ایس ٹی کا قانون لے کر آئی اور تاجروں نے اس پر اعتراض کیا تو حکومت نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اس میں تو تاجروں کا فائدہ ہے اس لیے کہ تاجر حضرات یہ رقم خریدار سے وصول کریں گے اور ان کے جی ایس ٹی ادا کرنے پر حکومت ان کو ریٹرن منافع کی شکل میں دے گی اسی وجہ سے تاجر حضرات صراحت کے ساتھ بلوں پر لکھتے ہیں کہ یہ سامان کی اصل قیمت ہے اور اتنا جی ایس ٹی ہے اگر مشتری سے وصول کرنا مقصود نہ ہوتا؛ بلکہ تاجروں سے ہی وصول کرنا مقصود ہوتا تو خریدار کو جی ایس ٹی بتانے کی ضرورت کیا ہے؟ آخر ہر سامان پر جی ایس ٹی رقم کی صراحت کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حکومت اصل جی ایس ٹی خریدار سے وصول کرتی ہے اس لیے اگر خریدار کو صراحت کے ساتھ معلوم ہو کہ اس سامان پر اتنا جی ایس ٹی ہے تو اس میں بینک انٹرسٹ کی رقم دینا جائز ہوگا ہاں اگر صراحت نہ ہو یا بل پر لکھا ہوا نہ ہو تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ مجموعی رقم ہی اس سامان کی قیمت ہے، اس صورت میں جی ایس ٹی کے نام پر انٹرسٹ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا۔

انٹرسٹ کی رقم کو بینک کے کاموں میں استعمال کرنا:

بینک کی طرف سے بعض مرتبہ بینک کے کاموں پر چارج لیا جاتا ہے مثلاً ڈی ڈی بنانے پر چارج وصول کیا جاتا ہے، اسی طرح آن لائن ٹرانزکشن پر کچھ رقم وصول کی جاتی ہے، یا اے ٹی ایم کے استعمال کی ایک حد ہوتی ہے کہ ماہانہ تین مرتبہ فری پیسے نکال سکتے ہیں، اس کے بعد پیسے نکالنے پر ہر مرتبہ کچھ چارج دینا ہوگا، اس طرح کے کاموں میں انٹرسٹ کی رقم استعمال کرنا درست نہیں ہے اس لیے یہ چارجیز غیر واجبی نہیں ہیں، اسلئے اس میں انٹرسٹ کی رقم دینا درست نہیں ہوگا۔ (دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، فتوی نمبر: ۱۶۱۲۲۹)

ہاں بعض بینکوں کی طرف سے قید ہوتی ہے کہ ہر وقت اکاؤنٹ میں مثلاً پانچ ہزار یا دس ہزار رکھنے ہوں گے اس میں کمی ہو جائے تو چارج وصول کیا جاتا ہے، اس میں بظاہر انٹرسٹ کی رقم دینا جائز ہے، اس لیے کہ اپنے پیسے کو رکھنے کیلئے پیسے کی کسی خاص مقدار کو لازم وضروری قرار دینا بظاہر غیر واجبی عمل ہے جس میں انٹرسٹ کی رقم دینے کی گنجائش ہے۔

انٹرسٹ کی رقم بینک کے سود میں دینا:

اگر کسی کا بینک میں سیونگ اکاؤنٹ ہو اور اس کو اس پر سود مل رہا ہو اور اس نے بینک سے لون لیا ہے یا اس پر کسی دوسرے بینک کا سود بینک کا سود آیا ہوا ہے، تو اس کیلئے اس سود میں انٹرسٹ کی رقم دینا جائز ہے، اس لیے کہ سرکار کا پیسہ سرکار کو واپس جا رہا ہے، اس لیے مال حرام کا جو حکم ہے کہ مالک کو واپس کر دیا جائے اس حکم پر عمل ہو رہا ہے؛ لیکن جان بوجھ کر بلا کسی شدید عذر کے بینک سے سودی قرض لینا یہ حرام ہے اور ایسا کرنے والا سود لینے کی لعنت وملامت کا مرتکب ہوگا، نظام الفتاوی میں ہے کہ یہ سود مرکزی حکومت سے ملتا ہے اور یہ بینک سے قرض لے کر جو سود دینا ہوتا ہے وہ بینک کو دینا ہوتا ہے اور بینک بھی مرکزی حکومت کا ہوتا ہے اور ہر حرام مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ جہاں سے ملا ہو وہاں واپس کر سکے تو واپس کر دے پس اس قاعدہ شرعی کے تحت جو رقم سود کے نام پر سینٹرل گورنمنٹ سے ملی تھی اس کو بینک کے سود کے نام سے اگر چہ دیا مگر اصل میں جہاں کی وہ رقم تھی وہاں ہی پہنچادی اسلئے یہ صورت شرعاً گنجائش رکھے گی۔ (منتخبات نظام الفتاوی، ۳/۱۰۶)

یادرفتگاں

اسلاف کی عظمتوں کا عکس جمیل

حضرت مولانا صابر علی صاحب قاسمی چترویدیؒ

حمیداللہ قاسمی کبیرنگری

تمہید:

ضبط کہتا ہے کہ خموشی سے بسر ہو جائے
درد کی ضد ہے کہ دنیا کو خبر ہو جائے

حضرت مولانا صابر علی صاحب قاسمی چترویدی نوراللہ مرقدہ مدرسہ عربیہ رحمانیہ نورالعلوم جوری کے مایہ ناز استاذ، جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات گردھرپور کے سرپرست، مجلس ارشادالمسلمین کے رکن رکین اور ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاموش داعی اور متاثر کن مقرر بھی تھے، ان کے اخلاق کریمانہ، عاداتِ شریفانہ اور مزاج خسروانہ کو دیکھتے ہوئے ہر شخص یہی کہتا تھا کہ خدا نے اس شخص کے اندر ہزارہاں خوبیاں رکھی تھیں، مولانا موصوف کی کن کن خوبیوں پر داد دی جائے اور کن کن خوبیوں کو شمار کیا جائے، قحط الرجال کے اس دور میں ایسے شخص کا وجود رحمتِ خداوندی سے کم نہیں اور ایسے انسان سے ملاقاتیں کرنا اور ان سے ملنا، انسانیت کی معراج کہلاتی ہے، یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ راقم کا ذاتی مشاہدہ ہے، ان سے مل کر دل کے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوتی تھی، دل ودماغ کو سکون ملتا تھا، قلب وجگر میں دینی حمیت کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی تھی، پچھلے دوتین سالوں سے بیماری کی وجہ سے اپنے گھر پر ہی قیام کیا؛ لیکن راقم جب بھی سہارنپور سے اپنے وطن مالوف جاتا تو حضرت مولانا صابر علی صاحب سے ملنے ضرور جاتا، ملاقات پر راقم الحروف کو ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے اور ہمت وحوصلہ سے دینی کام کرنے کی ڈھارس بندھاتے، یہ سلسلہ تقریباً دوتین سالوں سے چلتا رہا، انتقال سے دودن پہلے مورخہ ۷/نومبر ۲۰۲۰ء کو بھی ان سے ملاقات کی غرض سے حاضر خدمت ہوا، چونکہ معلوم ہوا تھا کہ مولانا موصوف کی طبیعت ان دنوں زیادہ خراب ہے، اس لئے حافظ عطاء اللہ صاحب کو ساتھ لیکر ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا، گھر پر بڑے صاحبزادے مولانا عبدالحفیظ صاحب قاسمی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ساری تفصیل بتلائی اور کہا کہ ابھی کچھ دنوں پہلے گرنے کی وجہ سے چوٹ لگ گئی تھی، جس کی وجہ سے پریشانی میں اضافہ ہوگیا ہے، بہرحال ملاقات کے لئے کہا گیا تو مولانا عبدالحفیظ صاحب قاسمی نے کہا کہ ''ابا ابھی سورہے ہیں'' ہم نے کہا کہ چلو دیدار تو کرلیں، گھر کے اندر گئے جہاں حضرت ایک تخت پر سورہے تھے، تھوڑی دیر تک دیدار کیا، بالکل مطمئن وشاداں اور پرسکون چہرہ دیکھ کر ایسا محسوس ہورہا تھا کہ کوئی بیماری اور پریشانی نہیں، مولانا عبدالحفیظ صاحب بیدار کرنا چاہتے تھے؛ لیکن ہم نے منع کردیا کہ رہنے دیجئے، ایک دودن کے بعد پھر انشاء اللہ ہم لوگ ملنے کے لئے آجائیں گے۔

انتقال کی خبر:

قضا وقدر کی حکمتیں بھی عجیب ہوتی ہیں کہ انسان کیا سوچتا ہے اور کیا سے کیا ہوجاتا ہے؛ لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے، راقم کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ دودن قبل حضرت سے ملنے کے لئے گیا تھا اور پھر دوبارہ ملاقات کرنے کا ارادہ بنارہا تھا کہ اچانک

یہ روح فرساں خبر نے راقم کو جھنجوڑ کر رکھ دیا کہ مولانا صابر علی صاحب کا انتقال ہوگیا، خبر سنتے ہی گویا پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے، ابھی تو دو دن پہلے ہی دیدار کرکے آیا تھا اور آج یہ ناگہانی خبر پہنچ گئی، ذہن ماضی کی یادوں میں گھومنے لگا، دماغ میں پرانی باتیں اور یادیں گردش کرنے لگیں، ایسا لگ رہا تھا کہ جسم قابو میں نہیں، فوراً گھر سے باہر نکلا اور مدرسہ کا رخ کیا، مدرسہ کے ذمہ دار مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قاسمی سے فون پر رابطہ کیا؛ لیکن نیٹ ورک کی خرابی کی وجہ سے فون نہ لگ سکا، جب مدرسہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ تو ابھی ابھی گردھر پور کے لئے روانہ ہوگئے، راقم واپس گھر آیا اور عطاء اللہ کو فون کیا کہ تم کہاں ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں کھیت میں ہوں اور تھوڑی ہی دیر میں آرہا ہوں، چنانچہ دل کو تسلی دینے لگا اور اس وقت جو کچھ ذہن میں آتا گیا پڑھتا رہا اور ان کے حق میں دعائیں کرتا رہا، بہرحال ماضی کی یادوں میں گم ہوکر یہی سوچنے لگا: ؎

پیکرِ حسن وعمل تھا اور خوش گفتار تھا
پاکیزہ اخلاق ومحبت، صاحبِ کردار تھا

الغرض حضرت مولانا صابر علی صاحب قاسمی چترویدی کے انتقال کی خبر سے پورے علاقے میں کہرام مچ گیا، ایسا لگ رہا تھا کہ قیامت صغریٰ برپا ہوگئی ہے، ہر شخص یہی کہتا ہوا نظر آرہا تھا کہ آج نورالعلوم جوری کا ایک روشن ستارہ غروب ہوگیا، جس کی وجہ سے پوری بستی غمزدہ ہے، ان کے انتقال پر ملال سے صرف مدرسہ عربیہ رحمانیہ نورالعلوم جوری ہی سوگوار نہیں؛ بلکہ قرب وجوار کے چھوٹے بڑے مدرسے بھی ان کے چلے جانے سے غمگین اور حسرت ویاس میں ڈوبے ہوئے نظر آرہے ہیں، سب کی زبان پر بس یہی جملہ گردش کررہا ہے: ؎

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

آبائی وطن اور تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا صابر علی صاحب قاسمی چترویدی نوراللہ مرقدہ کا آبائی وطن گردھر پور، ضلع سنت کبیر نگر تھا، جو ضلع صدر خلیل آباد سے تقریباً پندرہ کلومیٹر بجانب جنوب میں واقع ہے، سن سینتالیس کے پہلے یہ علاقہ پسماندہ ہونے کے ساتھ ناخواندہ بھی تھا، جہاں دینی تعلیم وتربیت کا کوئی معقول بندوبست نہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسا ادارہ تھا جس میں دینی تعلیم حاصل کی جائے، ایسے حالات میں گاؤں کے بچے حصول علم کی خاطر اپنے گاؤں سے دور کہیں جاکر اپنے علم کی پیاس بجھاتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے، ایسے ماحول میں حضرت مولانا صابر علی صاحب کی پیدائش ہوئی جہاں نہ کوئی ادارہ تھا اور نہ کوئی مکتب، بس گھروں میں ذاتی طور پر تعلیم ہوا کرتی تھی، کبھی کسی کے گھر اور کبھی کسی گھر کے صحن میں، مستقل طور پر تعلیم وتربیت کا کوئی نظام نہیں تھا؛ لیکن جب آپ کی عمر ۷/سال کی ہوئی، تو اس وقت آپ کے گاؤں میں ایک مکتب کی بنیاد پڑی، جس کا نام ''مدرسۃ القرآن'' رکھا گیا، اس مکتب میں سب سے پہلے جس طالب علم نے سبق پڑھا وہ مولانا صابر علی صاحب ہی تھے، اس مکتب میں استاذ کی حیثیت سے جن کا تقرر ہوا وہ بھی ہمارے گاؤں ''جوری'' کے مولانا عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ تھے اور دوسرے استاذ مولانا حکیم محمد ساجد صاحب مگہریؒ تھے، انہی دونوں حضرات کے سامنے مولانا صابر علی صاحب نے زانوئے تلمذ تہہ کیا، چنانچہ اپنے گاؤں میں مکتبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ چلے گئے اور وہاں عربی درجات کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور وہاں اپنے علم کی پیاس بجھائی، آپ کے درسی ساتھیوں

میں دارالعلوم دیوبند کے موجودہ نائب مہتمم حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی ہیں اور کمرہ کے ساتھیوں میں سابق ناظم کتب خانہ حکیم عبدالحمید صاحب بستویؒ تھے۔

مولانا مرحوم کا راقم سے تعلق:

حضرت مولانا صابر علی صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہ سے میرا تعلق ایک والہانہ، مخلصانہ اور مربیانہ تھا، مولانا راقم کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے، محنت سے کام کرنے کی تلقین کرتے اور خدمت کا جذبہ ابھارتے اور یہ بھی کہتے کہ خدمت کرنے والے ہی قوم وملت کے خادم بنتے ہیں اور ''سید القوم خادمہم'' کی عبارت پڑھ کر مزید مخلصانہ کام کرنے کی ترغیب دیتے، ویسے تو راقم پر نورالعلوم جوری کے تمام اساتذہ شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے ہیں؛ لیکن مولانا صابر علی صاحب کچھ اور ہی زیادہ محبت کرتے تھے، راقم سے بارہا یہی کہتے کہ بیٹے محنت سے کام کرو، چونکہ خدمت سے خدا ملتا ہے، آگے چل کر تم بڑے بنو گے، انشاء اللہ، چونکہ راقم کا ان سے نیازمندانہ تعلق تھا اور اکثر ان کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا رہتا تھا، گھر سے جب بھی مدرسہ جاتا تو مولانا صابر علی صاحب سے ضرور ملاقات کرتا، دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ اس وقت کیا مشغلہ ہے، کونسی کتاب پر کام کر رہے ہو، راقم ساری تفصیل بتاتا تو خوب دعائیں دیتے، دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کے بارے میں بھی پوچھتے کہ وہاں کے حالات کیسے ہیں، وہاں کب کب جانا ہوتا ہے اور کن کن حضرات سے تعلقات ہیں، الغرض مولانا صابر علی صاحب راقم الحروف سے کھل کر بات کرتے، زمانہ طالب علمی میں درس نظامی کی مشہور اور معرکۃ الآراء کتاب ''سراجی فی المیراث'' کی شرح ''تسہیل السراجی''، جس کو راقم نے ۲۰۰۴ء میں ہی مرتب کیا تھا، جس کے چار پانچ ایڈیشن فیصل بکڈپو، دیوبند سے شائع ہو چکے ہیں، یہ بھی آنجناب کی کوششوں اور رہنمائی کا نتیجہ ہے۔

اخلاق حسنہ کی ایک جھلک:

حضرت والا ایک فرشتہ صفت انسان تھے، اپنی پوری زندگی انتہائی صاف ستھری گزاری، نہ کسی سے کچھ کہنا اور نہ سننا، بس اپنے کام سے کام، موجودہ حالات میں غیبت وچغل خوری، حسد وبغض اور طعن وتشنیع کی فضا عام ہے، جس میں عوام تو عوام خواص بھی ملوث ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں؛ لیکن مولانا موصوف اس سب چیزوں سے پاک اور کوسوں دور تھے، اگر کوئی شخص ان کے سامنے کسی کی برائی کرتا تو وہ خاموش رہتے، کبھی کسی کی تحقیر وتذلیل نہیں کرتے، دنیا کی چمک دمک سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے، بالکل سادگی کی زندگی گزاری، نہ تو کبھی کسی دنیا دار کے سامنے کاسہ گدائی کی اور نہ ہی کبھی اپنے آپ کو دنیا دار سمجھا اور نہ ہی کبھی دنیا دار کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، بس فقیرانہ زندگی رہنا پسند کرتے تھے، دنیا سے صرف اتنی ہی محبت تھی جتنی ایک عالم دین کو رکھنی چاہئے، کبھی کسی امیر اور دولت مند کے سامنے جھکے نہیں، اپنے آپ کو دنیا کی لالچ سے دور رکھا، عبادت وریاضت کا ذوق گویا طبیعت ثانیہ بن چکا تھا، سنن ونوافل، قیام باللیل کی ایسی پابندی کرتے کہ پورا قرآن نفل نمازوں ہی میں پورا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام بچے الحمدللہ حافظ قرآن ہیں، آپ نے اپنی زندگی کی کل ۷۸/بہاریں دیکھیں۔

وفات حسرت آیات:

۹/نومبر ۲۰۲۰ء مطابق ۲۲/ربیع الاول ۱۴۴۲ہجری پیر کے روز داعی اجل کو لبیک کہا، حضرت والا ہمارے درمیان نہیں رہے؛ لیکن ان کی یادیں رہ گئیں ہیں جو خوشبو کی طرح ہمیں معطر کرتی رہے گی، اور ان سے اجالا ملتا رہے گا، ان کے اعمال وافکار اور کارنامے ہمارے لئے معاون ومددگار اور راہ نما ثابت ہوں گے، اللہ تعالی انہیں جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام عطا فرمائے، ان کے سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے۔ آمین

تعلیم وتربیت

بچوں کی تعلیم وتربیت کا انداز

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۱۱رفروری ۲۰۱۹ء کو جامعہ حضرت فاطمۃ عالم پور، عماد پور ضلع سہارنپور میں ہوا تھا، قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔

عزیز طلبہ و طالبات! آپ اس وقت چھوٹے چھوٹے معصوم بچے ہیں، آپ کے سامنے کسی علمی بات کا کرنا اور اونچے مضامین پیش کرنا، آپ کی شان کے خلاف ہوگا، اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا، میں آپ کو آپ کی زندگی سے متعلق، آپ کی تعلیم سے متعلق اور آپ کے ادارے سے متعلق کچھ عرض کرنے کی کوشش کروں گا، مجھے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آپ چھوٹے چھوٹے بچوں سے کیا بات کروں؛ لیکن آپ کے ناظم حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے ایک حدیث پیش فرمائی، اس حدیث شریف کی روشنی میں میرے لیے بیان کرنا اور اس مسئلہ کو حل کرنا آسان ہوگیا، دیکھئے یہ دنیا کا نظام بڑا بے رحم ہے، یہاں دنیا کی منڈی میں انسانوں کی ایک بھیڑ ہے، اس بھیڑ میں اگر کسی کو باقی رہنا ہے، کسی کو اپنا نام روشن کرنا ہے، کسی کو اپنے خاندان کا نام روشن کرنا ہے، کسی کو اپنے ماں باپ کا نام روشن کرنا ہے، اپنے ادارے کا نام روشن کرنا ہے، اپنے اساتذہ کے نام روشن کرنا ہے اور اپنے علاقے کے نام کو روشن کرنا ہے، اور خود اپنی اہمیت کا، اپنے وجود کا اور اپنی حیثیت کا اعتراف کرانا ہے، تو اس کا اظہار کرنا ہوگا اور لوگوں کے سامنے ثابت کرنا ہوگا، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہو، لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا ہنر اس کے اندر ہو، اگر اس کے اندر لوگوں کو، اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کی صلاحیت نہیں، اس کے اندر کوئی ایسا ہنر نہیں، جس سے وہ دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچا سکے، مثلاً اس کی زندگی سے، اس کے وجود سے، اس کے جسم سے، اس کے افعال سے، اس کے کردار سے، اس کے اخلاق سے، اس کی زندگی کے شب روز سے، اس کے چلنے پھرنے سے اور اس کے علم سے اگر کسی کو نفع نہیں ہوتا ہے تو پھر وہ کھویا ہوا ہے، وہ ایسا ہے جیسا کہ زندگی ہی میں ختم ہے، زندگی ہی میں اس کا وجود نہیں، وہ ایک جسم لے کر گھوم رہا ہے، ہڈیوں کا، گوشت کا، پوشت کا، ایک مجسمہ لئے ہوئے وہ دنیا کی بھیڑ میں ہے، اس بھیڑ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کا کوئی مقام نہیں؛ لیکن اگر اس سے معاشرے کے اندر کسی بھی انسان کو نفع پہنچتا ہے تو اس کا وجود صحیح ہے اور اس کے وجود کے باقی رہنے کی اللہ تبارک وتعالی ایسے اسباب پیدا فرماتا ہے کہ وہ سوچ نہیں سکتا، یہ اللہ تبارک وتعالی کا ایک نظام ہے، جس بندے میں، جس آدمی میں نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے وہ باقی رہتا ہے، وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، لوگ اس کو یاد کرتے ہے، اس کے شاگرد اس کو یاد کرتے ہیں، اس کی چیزیں اور اس نے جو فیض پہنچایا ہوتا ہے جن لوگوں کو نفع پہنچایا ہوتا ہے وہ لوگ اس کو یاد کرتے ہیں، اس کا نام لیتے ہیں، اس کے لئے دعائیں کرتے ہے اور اس کا نام روشن ہوتا ہے، اور یہ جب ہوتا ہے جب انسان کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہو، اگر یہ نہیں ہوتا تو وہ زندگی ہی میں ختم ہو چکا ہوتا ہے، اس کے محلے والے ہی اس سے واقف نہیں ہوتے، اس کے معاشرے والے ہی اس کو نہیں جانتے، اس کے

اڑوس پڑوس والے ہی اس کو نہیں جانتے اور اگر جانتے ہیں تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایک شکیل ہمارے برابر میں رہتا تھا، ادھر عبد الرحمٰن رہتا تھا، بس اس کے علاوہ کچھ نہیں؛ لیکن اگر اس نے لوگوں کو نفع پہنچایا ہوتا ہے، تو مرنے کے بعد تک، لمبی زندگی تک اور لمبے وقت تک یاد رہتا ہے اور لوگ اس کو یاد کر کر کے اس کو دعائیں دیتے ہیں، یہ چیز آپ کے اندر ہونی چاہئے، اگر آپ اس چیز کو اپنے اندر پیدا کریں گے، اس چیز کی گرہ باندھ لیں گے، اور پڑھنے لکھنے میں خوب محنت کریں گے، خوب مطالعہ کریں گے، اساتذہ سے پوچھیں گے، اور نئی نئی معلومات حاصل کریں گے، تو آپ کی محنت رنگ لائیگی، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرتے رہو، آپ چھوٹے چھوٹے بچے ہو، آپ یہ دعا کرو اللہ سے کہ اے اللہ میں پڑھ رہا ہوں، اے اللہ! مجھے بہترین عالم بنانا، اے اللہ مجھے بہترین حافظ بنانا، اے اللہ مجھے بہترین قاری بنانا، اے اللہ مجھے بہترین ماسٹر بنانا، اے اللہ مجھے بہترین انجینئر بنانا، اے اللہ مجھے بہترین پروفیسر بنانا، اے اللہ مجھے بہترین ڈاکٹر بنانا، اے اللہ مجھے بہترین کاشتکار بنانا، اے اللہ مجھے بہترین کام کرنے والا بنانا، اے اللہ مجھے اپنے مقبول بندوں میں بنانا، اے اللہ مجھ سے اپنے دین کی خدمت لے لینا، اے اللہ مجھ سے راضی ہو جانا، جس کو زندگی کے جس شعبہ سے اور جس کام سے مناسبت ہے، اس کے لئے دعائیں کریں، ننھے منے ہاتھ اٹھا کے اللہ سے دعائیں کریں گے، تو انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت پیدا کرے گا، آپ کو بہترین انسان بنائے گا، آپ کو بہترین ماسٹر بنائے گا، بہترین ڈاکٹر بنائے گا، بہترین انجینئر بنائے گا، بہترین پروفیسر بنائے گا اور بہترین عالم، حافظ، قاری اور نہ معلوم کیا کیا بنائے گا، یہ دعا آپ کو کرنی ہوگی اور جب یہ دعا کریں گے، انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی کرے گا اور ایسے اسباب آپ کیلئے بنائے گا کہ آپ کے لئے راستہ طے کرنا خود آسان ہو جائے گا، اسکول کا راستہ طے کرنا آسان ہو جائے گا، کالج کا راستہ طے کرنا آسان ہو جائے گا، یونیورسٹی کا راستہ طے کرنا آسان ہو جائے گا، دارالعلوم کا راستہ طے کرنا آسان ہو جائے گا، بڑے سے بڑے ادارے کا جس سے آپ جڑنا چاہتے ہیں، جس لائن سے آپ کو دلچسپی ہو اس میں جانا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کریں کہ انشاء اللہ ہم سب کو بڑا بننا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے اندر سے بڑے بڑے امام بنائے گا، تمہارے اندر سے بڑے بڑے مجدد بنائے گا، تمہارے اندر سے بڑے بڑے عالم حافظ قاری بنائے گا، تمہارے اندر سے بہترین انجینئر، پروفیسر بنائے گا، تمہارے اندر سے بہترین مصنف بنائے گا، تمہارے اندر سے بہترین ڈاکٹر بنائے گا، یہ سب آپ کی نیت پر اور آپ کے ارادے پر اور آپ کی محنت پر منحصر ہے، اگر بہترین بننے کی، آپ کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہوگی اور آپ دنیا کو نفع پہنچائیں گے، آپ اپنے گاؤں میں بھی نفع پہنچائیں گے، اڑوس پڑوس میں بھی نفع پہنچائیں گے، اپنے علاقے میں بھی نفع پہنچائیں گے، اپنے ملک میں نفع پہنچائیں گے، اہل دنیا کو نفع پہنچائیں گے اور پوری دنیا کے اندر آپ نفع پہنچانے والے بن جائیں گے پھر قرآن کریم کا فیصلہ ہے: "فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ" جو جھاگ ہوتا ہے، جھاگ کی یہ حیثیت ہے کہ وہ تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتا ہے؛ لیکن آپ میں نفع پہنچانے کی صلاحیت ہوگی تو اللہ تعالیٰ آپ کو باقی رکھے گا، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، جو لوگوں کو تعلیم دیتا ہے، جو لوگوں کو اخلاق سکھاتا ہے، جو لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہے، جو لوگوں کی مدد کرتا ہے، جو لوگوں کے کام آتا ہے، جو معاشرے کے کام آتا ہے، جو لوگوں کے کام کیلئے ہر وقت کھڑا رہتا

ہے، مدد کرتا رہتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو باقی رکھتا ہے، اس کی نسلوں کو باقی رکھتا ہے، اس کی زندگی کو باقی رکھتا ہے، اس کے خاندان کو باقی رکھتا ہے، اس لئے آپ کو باقی رہنے کیلئے محنت کرنی پڑے گی، آپ اس وقت جس مدرسہ اور جس اسکول میں ہیں، آپ کے اندر اگر صلاحیت ہوگی کہ آپ ہر درجہ کو بہترین انداز میں پاس کرتے ہوئے جائیں، وہ تب ہوگا جب آپ محنت سے سبق یاد کریں گے، محنت کر کے سبق سنائیں گے، ہر وقت محنت کریں گے، گھر پر بھی نہیں کھیلیں گے، جو استاذ نے کام دیا ہے، یا ٹیچر نے جو کام دیا ہے، یا ماسٹر صاحب نے جو کام دیا ہے، اس کو کریں گے اور عشاء سے پہلے یا عشاء کے بعد اس کو انجام دیں گے، پھر سوئیں گے، جب صبح کا کام پورا ہو جائے گا تو اس کے بعد سوئیں گے، اگر ایسے ہی آپ کرتے جائیں گے، محنت کا جذبہ آپ کے اندر پیدا ہوتا جائے گا، اللہ تعالی آپ کی صلاحیت کو بلند کرتا جائے گا، آپ چمکتے جائیں گے، یہاں تک کہ آپ منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے، پھر آپ کا نام روشن ہوگا اور آپ کے اندر اللہ تعالی نفع پہنچانے کی صلاحیت پیدا کر دے گا، سب کو اس کی کوشش کرنی ہے، انشاء اللہ۔

مدرسہ اور اسکول کے اوقات میں اگر آپ گھر پر رہیں گے اور پڑھنے نہیں جائیں گے تو اس سے بے برکتی ہوتی ہے، اگر آپ ایک دن کا سبق چھوڑیں گے، ایک دن غیر حاضر رہیں گے، یا غیر حاضری کریں گے سر درد کی وجہ سے، طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے، امی کے مارنے کی وجہ سے، ابا کے چیز نہ دینے کی وجہ سے، کسی ضرورت کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے، آپ ناراض ہو کر اسکول نہ جائیں گے، تو یاد رکھیں ایک دن کی غیر حاضری کی وجہ سے آپ کی زندگی کے چالیس دن کی برکت ختم ہو جائیگی، آپ کے سبق میں غیر حاضری کی وجہ سے بے برکتی ہوگی اور بے رونقی ہوگی اور آپ کے اندر جو نور آنے والا تھا، آپ کے اندر جو برکت آنے والی تھی، آپ کی اندر جو صلاحیت پیدا ہونے والی تھی، وہ سب رک جائیگی، اس لئے غیر حاضری بھی نہیں کرنا ہے، جب آپ غیر حاضری نہیں کریں گے تو آپ کے علم میں برکت ہوگی، اللہ تبارک وتعالی آپ کو چمکائیگا اور آپ کے اندر صلاحیت پیدا ہوگی، بڑے بڑے ماہرین، بڑے بڑے اساتذہ، بڑے بڑے انسان جو بھی دنیا میں بنے ہیں، وہ سب اسکول میں، مدرسہ میں، مکتب میں، مسجد میں ہی آ کر بنے ہیں اور انہوں نے زندگی کے اندر ثابت قدمی اختیار کی ہے، اسباق کی پابندی کی ہے، درس کی پابندی کی ہے، پھر اللہ نے ان کو بنایا ہے، ان کو چمکایا ہے۔

میرے عزیزو! یہ آپ لوگوں کی ذمے داری ہوتی ہے کہ آپ اس کی پابندی کریں، ایک تو آپ کو سبق کی پابندی کرنی ہے، غیر حاضری نہیں کرنی ہے اور دوسرے محنت کرنی ہے، تیسرے اللہ سے دعا کرنا ہے کہ اللہ ہم کو بڑا بنائے، اللہ ہم کو نفع پہنچانے والا بنائے، ہم پورے ملک کے لئے، پوری دنیا کے لئے نفع پہنچانے والے بن جائیں، تو انشاء اللہ ضرور ہم اس سرٹیفکیٹ کے مستحق ہو جائیں گے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا ہے: "خیر الناس من ینفع الناس" بہترین لوگوں میں وہ ہے؛ جو لوگوں کو نفع پہنچائے، لوگوں کیلئے نافع ہو، جس کے اندر لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی صلاحیت ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بہترین انسان ہے، اگر آپ ڈاکٹر ہو، انجینئر ہو، پروفیسر ہو اور آپ کے علم سے، آپ کی ڈاکٹری سے لوگوں کو فائدہ نہ ہو، آپ کی انجینئرنگ سے لوگوں کو فائدہ نہ ہو، آپ کے علم سے لوگوں کو فائدہ نہ ہو، تو آپ بہترین نہیں ہیں، بہترین تب ہونگے، جب لوگوں کو آپ زندگی سے فائدہ پہنچے گا، آپ کے علم سے لوگوں کو فائدہ ہوگا، آپ کے وجود سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا تو آپ بہترین انسان ہوں گے، انشاء اللہ اس کی کوشش کریں گے، اللہ تبارک وتعالی آپ سب کو

قبول فرمائے، چاہے طلبہ ہوں، چاہے طالبات ہوں، یہ آپ کی ذمے داری ہے، پھر اساتذہ کی ذمے داری بنتی ہے، اساتذہ کی، ٹیچرس کی، آپ کی جو دیکھ بھال کرنے والے ہیں، آپ کے جو گارجن اور سرپرست ہیں، ان سب کی ذمے داری بنتی ہے کہ آپ کی نگرانی صحیح طریقے سے کریں، آپ کی تربیت صحیح انداز سے کریں، اس لئے کہ علم کے ساتھ، آپ کی محنت کے ساتھ تربیت سے آپ کے اندر چمک پیدا ہوگی اور وہ چمک جب پیدا ہوگی، جب آپ کے اساتذہ اچھی تربیت کریں گے، اس لئے اساتذہ کی بھی ذمے داری ہوتی ہے کہ وہ بھی پابندی سے اسباق کو پڑھائیں، پابندی سے تربیت کریں، پابندی سے ہر بچے کا خیال رکھیں، ہر بچے کے ساتھ میں شفقت کا، پیار کا، محبت کا اور اس کے ساتھ میں نرمی کا معاملہ کریں، اس سے اس کے اندر اس کا علم منتقل ہوتا ہے، اس کے اندر اس کی صلاحیت منتقل ہوتی ہے، اخلاص سے استاذ بھی دعا کریں، اے اللہ! تو نے مجھ کو یہ امانت سونپی ہے، یہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، تیری رضا کیلئے میں ان کو پڑھا رہا ہوں، اس پڑھانے میں برکت عطا فرما، اس کے اندر نورانیت پیدا فرما، اگر استاذ بھی اس نیت سے آئے گا، تو انشاء اللہ بچے کے اندر چمک پیدا ہوگی، ان کے اندر ہنرمندی پیدا ہوگی، ان کے اندر صلاحیت پیدا ہوگی اور یہ اچھے انسان بنیں گے، نفع پہنچانے والے انسان بنیں گے، تو یہ اساتذہ کا بھی فرض بنتا ہے، اچھے کردار سے پیش آئیں گے، چھوٹے چھوٹے بچوں کے اندر اللہ نے اخذ کرنے کی صلاحیت رکھی ہوتی ہے، آپ نے گھروں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ بڑوں کی ہر بات نقل کرتے ہیں، چار پانچ سال کا بچہ بھی نقل کرتا ہے، اس کا والد کیا کرتا ہے، اس کی نقل کرتا ہے، اس کی والدہ کیا کرتی ہے اس کو نقل کرتا ہے، اس کے بڑے بھائی، بہن کیا کرتے ہیں، اس کی نقل کرتا ہے اور آپ نے بچے کو کہا کہ بیٹا جھوٹ نہیں بولنا لیکن کسی موقع پر، اگر آپ جھوٹ بولتے ہیں تو وہ ٹوک دیتا ہے کہ آپ یہ کہہ رہے تھے کی جھوٹ نہیں بولنا، معلوم ہوا کہ ان کا ذہن اخاذ ہوتا ہے، یہ ان بچوں کے ذہن کی پکڑ ہے، وہ ہر بات کی پکڑ کرتے ہیں، تو مدرسہ میں اساتذہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچوں کو اچھی باتیں نقل کرائیں تاکہ اچھی چیزیں ان میں منتقل ہوجائیں اور وہ اخذ کرلیں اور وہ اپنی زندگی میں اس کی گرہ باندھ لیں اور پھر وہ نقش ہوجائے اور جب وہ نقش ہوجائیں گی تو پھر وہ زندگی بھر استاذ کے ممنون ومشکور رہیں گے اور اپنے اساتذہ کے نام روشن کریں گے، یہی طریقہ ہوتا ہے سیکھنے اور سیکھانے کا، سیکھنے والے کے اندر جو چیزیں ہونی چاہئیں وہ ان کو اختیار کرنی چاہیے اور سکھانے والے کو جو چیزیں اختیار کرنی چاہیے وہ ان کو اختیار کرنی چاہیے، تو یہ سیکھنے سیکھانے کا عمل بہترین عبادت بن جاتا ہے، ایک بہترین معاشرے کے وجود کا سبب بن جاتا ہے، اگر اس کے اندر کوتاہی ہوتی ہے، اس کے اندر وہ چیزیں نہیں اختیار کی جاتی ہیں، جن کے اختیار کرنے سے یہ رشتہ مضبوط ہو، جس کے اختیار کرنے سے اس رشتے کے اندر کوئی کمی واقع ہو، پھر یہ رشتہ وہ نہیں جو مطلوب ہے، جو مقصود اور محمود ہے، بلکہ اس کے اندر کوتاہی ہونے سے ایسے نقائص آجاتے ہیں جن کی زندگی بھر تلافی ممکن نہیں ہوسکتی، اس لئے اساتذہ اپنے فرض منصبی کو نبھائیں، اپنی ذمہ داری کو نبھائیں، اپنے کردار کو، اپنے اخلاق کو، اپنے صلاحیت کو، اپنے ہنر کو اپنے بچوں میں منتقل کریں، اللہ تبارک وتعالی ہمارے ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو بہترین انسان بنائے، نفع پہنچانے والا بنائے، جو پوری دنیا کے لئے نافع ہو، پوری دنیا کو فائدہ پہنچانے والے ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ان سب بچوں کو، ان کے اساتذہ کو، ان کے والدین کو اور ان کے ذمے داروں کو اور ان کے ادارے کو قبول فرمائے۔ آمین

اسلامی تعلیمات

عافیت والی زندگی کیلئے رہنما اصول

مولانا عبدالقوی صاحب بانی جامعہ اشرف العلوم حیدرآباد

رزق حلال، قناعت اور توکل:

اللہ کے یہاں محبوب ٹھہرنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنا رزق حلال کیجئے، قرآن کریم میں جابجا اللہ تعالیٰ نے حلال کمانے اور کھانے کا حکم فرمایا ہے اور حرام خوری کی شدید مذمت کی ہے، وہ جسم اللہ کے ہاں انتہائی قابل رحم حالت میں بھی رعایت کے لائق نہیں رہتا جس جسم کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات سمجھانے کیلئے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو لمبا سفر کر کے آیا ہو، اس کے بال پراگندہ ہوں اور جسم ولباس گرد وغبار سے اٹا پڑا ہو، وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا دے اور اے میرے رب! اے میرے رب! کہتے ہوئے دعا کرنے لگے، جبکہ اس کا کھانا بھی حرام ہو، اس کا پینا بھی حرام ہو، اس کا لباس بھی حرام ہو اور اس نے حرام غذا سے ہی پرورش پائی ہو، تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول کی جاسکتی ہے؟!

حرام مال سے پرورش کا انجام:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر وہ جسم جس نے حرام سے پرورش پائی، وہ جہنم کا زیادہ حق دار ہے''۔ (جامع الصغیر: ۴۵۱۹)

کسی کا حق مارنے کی سزا:

مال بڑھانے اور اپنا بینک بیلنس بنانے کی حرص اس قدر ہو چکی ہے کہ حلال وحرام کی پرواہ تک نہیں کی جاتی اور اس کیلئے دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا، مال کی ایسی اندھی محبت میں گرفتار شخص یہ بھول جاتا ہے کہ اس کا اخروی انجام کیا ہوگا؟ سیدنا امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص قسم اٹھا کر کسی مسلمان بندے کا حق دباتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم کی آگ واجب قرار دے دیتا ہے اور اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے''۔

مشکوک اور مشتبہ امور سے اجتناب:

اسلام تو اپنے ماننے والوں کو حلال وپاکیزہ رزق کھانے کا اس قدر پابند کرنا چاہتا ہے کہ مشکوک اور مشتبہ چیزوں سے بھی بچاتا ہے اور ایسے امور کو اپنانے کا حکم دیتا ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہوں، سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''مشکوک اور مشتبہ چیز کو چھوڑ کر اسے اپناؤ جو مشکوک اور مشتبہ نہ ہو''۔ (سنن ترمذی: ۲۵۱۸)

کفایت اور قناعت اختیار کریں:

انسان مال میں اضافہ کرنے کی خواہش اور اس کیلئے حلال و حرام کی تمیز اسی وقت نہیں کرتا جب اس میں سے قناعت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے رزق کا ذمہ لیا ہوا ہے، معاشی طور پر آسودہ اور بہترین زندگی وہی گزارتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قناعت جیسے عظیم وصف سے نوازا ہو، وہ اللہ کے دئے ہوئے پر راضی اور خوش رہتا ہو، یقیناً یہ بہت بڑی کامیابی ہے، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً اس شخص نے فلاح وکامیابی پالی جس

نے اسلام قبول کیا، ضرورت کے مطابق اسے رزق مل گیا اور اللہ کے دئے پر اس نے قناعت اختیار کر لی۔ (صحیح مسلم:۱۰۵۴)

اپنے سے نیچے والے کو دیکھیں:

انسان اگر دنیوی امور میں، بالخصوص مال و دولت کے اعتبار سے اپنے سے اوپر والے کی بجائے اپنے سے نیچے والے کو دیکھے تو اس کا دل کبھی تنگ نہ پڑے اور نہ ہی اس میں کبھی احساسِ کمتری جاگے، ہمارے اندر 'مزید در مزید' کی حرص اسی وقت پروان چڑھتی ہے جب ہم اپنے سے زیادہ مال و دولت والے کو دیکھ کر اس جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے پاس موجود اللہ کی نعمتوں پر قناعت کرنے کی بجائے دوسروں کے برابر کھڑا ہونے کی دوڑ میں لگ جاتے ہیں، اس کا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان میں سے شکر کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے، حالانکہ اگر انسان اپنے سے کم مرتبے اور کم مال والے لوگوں کو دیکھے تو اس کے اندر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا احساس اور شکر کا جذبہ بیدار ہوگا کہ مولا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھے بہت سوں سے بہتر بنایا ہے، سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیاداری اور مال و دولت کے معاملے میں اس کو دیکھو جو تم سے نیچے ہو، اسے نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کی کسی بھی نعمت کو حقیر نہیں جانو گے''۔ (ترمذی شریف ۲۵۱۳)

اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ خود اٹھایا ہے، لیکن انسان میں ایمان کی کمزوری اس قدر ہے کہ اسے اللہ کے اس وعدے پر یقین نہیں ہے، اگر وہ اللہ کو حقیقی رازق مانے تو اسے کبھی حصول رزق کے لئے ہلکان نہ ہونا پڑے، جو لوگ اللہ کے رازق ہونے پر کامل یقین رکھتے ہوئے اسی پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ غیبی طریقوں سے رزق عطا فرماتا ہے اور اس کے تھوڑے میں بھی ایسی برکت فرماتا ہے کہ وہ بہت سے مال داروں سے بہتر اور پرسکون زندگی گزارنے لگتا ہے، پھر اسے حرام و ناجائز طریقوں کا خیال تک نہیں آتا، سیدنا عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرنے لگو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح رزق سے نوازے گا جس طرح وہ پرندے کو رزق عطا فرماتا ہے کہ وہ صبح سویرے بھوکے پیٹ نکلتا ہے اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتا ہے''۔ (سنن الترمذی:۲۳۴۴)

والدین کی خدمت کی اہمیت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس ہجرت اور جہاد کی بیعت کیلئے حاضر ہوا ہوں، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب چاہتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے استفسار فرمایا: ''کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں، بلکہ دونوں ہی زندہ ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب چاہتے ہو؟'' اس نے کہا: جی ہاں، تو آپؐ نے فرمایا: ''پھر واپس اپنے والدین کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو''۔ (صحیح مسلم:۲۵۴۹)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے ہجرت کی بیعت کرنے آیا ہوں اور اپنے والدین کو روتا چھوڑ آیا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کے پاس واپس جا اور انہیں اسی طرح ہنسانا جس طرح انھیں رلا کے آیا ہے''۔ (سنن ابی داؤد:۲۵۲۸)

اللہ کے یہاں محبوب ترین عمل:

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز کو بروقت ادا کرنا'' میں نے کہا: پھر کون سا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ نیک سلوک'' میں نے عرض کیا: پھر کونسا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا''۔ (بخاری شریف ۵۲۷)

ادنیٰ سی تکلیف کی بھی ممانعت:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ''اور تمہارا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا اور نہ ہی انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا''۔ (سورۂ الاسراء: آیت ۲۳)

سب سے اوّلین بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے متصل بعد ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا فرمان جاری ہے، جس سے اس معاملے کی شدت کا احساس ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ اگر وہ بڑھاپے میں پہنچ جائیں تو انہیں ''اف'' تک نہیں کہنا، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی طبیعت میں بچوں کی سی عادات آجاتی ہیں، ذرا ذرا سے کام کے لئے دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے اور بات بات کا برا ماننے لگتا ہے، اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اس عمر میں ان کا خاص طور پر خیال رکھنے کا حکم فرمایا ہے، دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے لفظ اُف کا ذکر فرمایا ہے، جو کہ غصے کے اظہار کا ادنیٰ ترین لفظ ہے، تو معلوم ہوا کہ تم والدین پر اس ادنیٰ لفظ کے ساتھ بھی غصے کا اظہار نہیں کر سکتے، مطلب یہ ہے کہ بندۂ مسلم کو اس کے کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے عمل سے اس کے والدین کی دل آزاری نہ ہو۔

والدین کی نافرمانی کا گناہ:

سیدنا عبداللہ عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، قتل نفس اور جھوٹی قسم کھانا''۔ (بخاری شریف: ۶۶۷۵)

والدین کی خدمت نہ کرنے سے جنت سے محرومی:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو''۔

پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ یہ بددعا کس کے لئے فرما رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے والدین کو، یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا اور (ان کی خدمت کر کے) جنت حاصل نہ کر سکا''۔ (مسلم شریف: ۲۵۵۱)

اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جب اہل یمن میں سے (جہاد میں شرکت کیلئے) دستے آتے تو آپ ان سے پوچھتے: تم میں اویس بن عامر بھی ہیں؟ حتیٰ کہ ایک روز وہ آپ کو مل گئے، عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ اویس بن عامر؟ انھوں نے کہا: ہاں! آپ نے پوچھا: کیا آپ مراد (قبیلے اور) قرن (شاخ) سے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، پوچھا: کیا آپ کو برص کی بیماری تھی، پھر آپ ٹھیک ہو گئے، بس ایک درہم کے برابر جگہ رہ گئی؟ جواب ملا: ہاں! آپ نے پوچھا: آپ کی والدہ ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! اس کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا: ''تمہارے پاس اہل یمن کے دستوں کے ہمراہ اویس بن عامر آئے گا، وہ قبیلہ مراد اور اس کی شاخ قرن سے ہوگا، اسے برص کی بیماری ہوئی ہوگی، اس

کی والدہ ہے اور وہ اس کا بہت فرماں بردار ہے، اگر وہ اللہ پر (کسی کام کی) قسم کھالے تو وہ اسے ضرور پورا کردے گا، اگر تم یہ کرسکو کہ (تمہاری درخواست پر) وہ تمہارے لئے بخشش کی دعا کرے تو یہ (درخواست) کر لینا'' اس لئے آپ میرے لئے بخشش کی دعا کردیں، چنانچہ اویس رحمہ اللہ نے ان کے لئے دعا کردی۔ (مسلم شریف:۲۵۴۲)

والد کا مقام ومرتبہ:

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رب تعالیٰ کی رضامندی والد کی رضا مندی میں ہے اور رب تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی ہے''۔ (ترمذی شریف:۱۸۹۹)

والد کے دوستوں سے اچھا سلوک:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان ہے کہ انھیں مکہ کے ایک راستے میں ایک بدوی شخص ملا، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے سلام کیا اور اسے اس سواری پر بیٹھالیا جس پہ آپ خود سوار تھے اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر اس کے سر پر رکھ دی، ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ میں نیکی کا (مزید) جذبہ پیدا فرمائے، یہ بدوی لوگ تو تھوڑے بہت پر ہی خوش ہو جاتے ہیں (آپ نے اتنا کیوں کیا؟) تو سیدنا عبداللہؓ نے فرمایا: اس شخص کا والد (میرے والد) عمر بن خطاب رضی اللہ کا دوست تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''سب سے بڑا نیک سلوک یہ ہے کہ آپ اپنے باپ کے دوستوں سے میل جول رکھے''۔

خاوند اپنی بیوی کی ضروریات کا خیال رکھے:

بیوی بچوں پر خرچ کرنا اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنا خاوند کی بنیادی ذمہ داری ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذمہ داری میں خاوند کی خوب رغبت پیدا کرنے کے لئے فضیلت بھی بیان فرمائی ہے، تاکہ وہ ذوق وشوق سے اپنے اس فریضے کو پورا کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خانہ پر خرچ کرنے کو بھی صدقہ قرار دیا ہے، جو شخص اپنے اس فرض کی ادائیگی میں بغیر کسی عذر کے کوتاہی اور غفلت کرتا ہے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان کے گناہ گار ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ ان لوگوں پر خرچ کرنے سے رک جائے جن کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے''۔ (مسلم شریف:۹۹۶)

بیوی کو مارنے اور دل دکھانے سے اجتناب کرے:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ عورت کا اپنے خاوند پر کیا حق ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کہ جب وہ کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب وہ پہنے تو اسے بھی پہنائے اور صرف گھر ہی میں اسے الگ چھوڑے، نہ اس کے چہرے پر مارے اور نہ ہی اس کے متعلق برا بولے''۔ (سنن ابی داؤد:۲۱۴۲)

اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی عزت کو داغ لگاتی ہے یا شدید نافرمانی کا مظاہرہ کرتی ہے اس کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن وہ بھی ایک حد تک، ایسا نہیں کہ جانوروں کی طرح پیٹنا شروع کردے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً ان (بیویوں) کے ذمے بھی تمہارے کچھ حقوق ہیں (وہ یہ کہ) وہ تمہارے بستروں پر کسی شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرو، اور اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو، لیکن ایسی مار نہ مارو کہ جو انہیں زخمی کردے''۔ (مسلم شریف:۱۲۱۸)

گھر والوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہیں:

کئی لوگوں کا عجیب مزاج ہوتا ہے کہ گھر سے باہر تو خوب خوش باش اور ہنستے کھیلتے رہیں گے لیکن جونہی گھر میں داخل ہوں

گے تو ہنسی غائب اور ماتھے پر تیور چڑھالیں گے، حالانکہ گھر والے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کے ساتھ ہنسی خوشی رہا جائے، جو ایسا نہیں کرتا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بہتر آدمی نہیں ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں''۔ (ترمذی شریف: ٣٨٩٥)

بہتر ہونے سے مراد گھر والوں کی ضروریات پوری کرنا، ان کی حفاظت کرنا، ان کے دکھ درد کا خیال رکھنا، ان سے پیار و محبت کرنا اور بہتر ہونے کا سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ہنسی خوشی رہنا۔

رفیقہ حیات کے ساتھ نباہ کیجئے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت پسلی کی طرح (ٹیڑھی) ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ بیٹھو گے اور جو اگر تم اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہو گے تو اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہو''۔ (بخاری شریف ٥١٨٤)

ایک بات نا پسند ہو تو دوسری سے خوش ہو جائیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ گزر بسر کا بہت خوبصورت طریقہ بتلایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی مؤمن شخص (اپنی) مومنہ (بیوی) کو چھوڑ مت دے، اگر اسے اس کی کوئی ایک خصلت ناپسند ہے تو وہ اس کی کسی دوسری خصلت سے خوش ہو جائے''۔ (مسلم شریف: ١٤٦٩)

اب ایسا تو ممکن نہیں کہ کسی آدمی میں کوئی خوبی ہی نہ ہو، لہٰذا جب آپ اپنی بیوی کی کسی ایک ناپسندیدہ بات سے شکستہ دل ہوں تو اس کی کسی خوبی کو یاد کر کے خوش ہو جایا کریں، گھر کا ماحول خوشگوار رکھنے کا یہ بہترین نسخہ ہے۔

گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹائیے:

جناب اسود رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کاج کیا کرتے تھے''۔ (بخاری شریف: ٦٧٦)

اگر ساری کائنات کے سردار اور سب سے بڑھ کر معزز ہستی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کام کاج کر سکتے ہیں تو پھر ہمیں کیوں عار محسوس ہوتا ہے؟ یہ سنت بھی ہے اور میاں بیوی کے باہمی پیار کو بڑھانے کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔

بیوی بھی اپنے خاوند کے حقوق کا خیال رکھے:

حصین بن محصن انصاری بیان کرتے ہیں کہ ان کی پھوپھی نے انھیں بتلایا کہ وہ کسی کام کی غرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، فراغت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تمہارا خاوند ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کا کتنا خیال رکھتی ہو؟ اس نے کہا: مناسب سا ہی رکھتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے اپنے مقام کو پہچانو (یعنی اس کے حقوق کا خیال رکھو)، کیونکہ وہ تیری جنت بھی ہے اور جہنم بھی''۔ (مسند احمد: ١٩٠٠٣)

ہر اہم کام خاوند کی اجازت سے کرے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت کا خاوند جب (گھر میں) موجود ہو تو وہ اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہیں رکھ سکتی''۔ (بخاری شریف: ٥١٥٩)

جب نفلی عبادت کیلئے خاوند کی اجازت ضروری ہے تو عام امور میں بھی اس کا خیال رکھنا چاہیئے، تا کہ خاوند کی سربراہی کا احساس رہے اور وہ اپنی بیوی جو کی اس فرمانبرداری سے خوش رہے۔

اس کے احسانات کی نا شکری نہ کریے:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے جہنم کو دیکھا تو آج جیسا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، میں نے جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ایسا کیوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان کے کفر کی وجہ سے“۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”(نہیں) وہ خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں اور (ان کی) احسان فراموشی کرتی ہیں، اگر تم ان میں سے کسی پر زندگی بھر احسان کرتے رہو، پھر وہ تم سے ذرا بھی کوئی کمی محسوس کرے تو کہے گی کہ میں نے تو تجھ سے کبھی بھلائی دیکھی ہی نہیں“۔(مسلم شریف:۹۰۷)

نظر میں حیا پیدا کیجئے:

نظر بد شیطان کا زہر آلود تیر ہے، جو انسان کی آنکھوں کی کمان سے غیر محرم عورت کی طرف چھوڑتا ہے، انسانی کردار کو ناپاک کرنے کے لئے شیطان کا یہ بنیادی حملہ ہے کہ اس کی نگاہ سے حیاء ختم کر دیتا ہے، جب نگاہ میں حیا نہیں رہتا تو پھر جسم کا ہر عضو بے حیائی کی گندگی میں لتھڑ جاتا ہے، اس لئے اسلام نے بے حیائی کی بنیاد کو ہی ختم کرتے ہوئے نگاہیں جھکائے رکھنے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ”اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے سب سے پاکیزہ راہ ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی خبر رکھنے والا ہے اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں“۔(سورۂ نور: ۳۰/۳۱)

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میری اچھی باتیں مان لو، میں (ان کے بدلے میں) تمہارے لئے جنت (کا وعدہ) قبول کرتا ہوں“۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون سی باتیں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ مت بولے، جب وہ وعدہ کرے تو خلاف ورزی نہ کرے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرے، اپنی آنکھوں کو جھکائے رکھا کرو، اپنے ہاتھوں کو قابو میں رکھا کرو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کرو“۔(جامع الصغیر:۲۹۷۸)

ایمان سے محرومی:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حیاء اور ایمان دونوں اکٹھے ملے ہوئے ہیں، چنانچہ جب ان دونوں میں سے ایک اٹھایا (ختم کیا) جاتا ہے تو دوسرے کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے“۔(ادب المفرد:۹۹۱)

حقیقی خوب صورتی کا خاتمہ:

جس آدمی کی نظروں سے حیا ختم ہو جاتا ہے اس میں پھر کوئی خوبی اور اچھائی نہیں رہتی بلکہ وہ باطنی طور پر بدصورت بن جاتا ہے، خواہ ظاہری طور پر وہ حسن و جمال کا پیکر ہی ہو، جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے حیائی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے بدصورت کر دیتی ہے اور حیا جس میں بھی ہو اسے خوب صورت بنا دیتا ہے“۔(ترمذی شریف:۵۶۹۳)

❁❁❁❁

not found.

سیرت وسوانح

پروفیسر ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی

ایک ممتاز محقق اور سیرت نگار

مولانا سید محمد ریاض ندوی، ناظم جامعۃ الحسنین صبر پور، سہارنپور

جس وقت کرونا Covid19 کی وجہ سے انسانی دنیا گھروں میں مقید ومحبوس تھی اور خوف کا عالم طاری تھا، اسی درمیان مزید صدموں کی بوچھار ہوئی اور ملت اسلامیہ برابر غموں سے نڈھال ہوتی رہی اور تسبیح کے دانوں کی طرح ٹوٹ کر بہت سی نابغہ روزگار شخصیات نے اس دنیا کو خیر آباد کہہ کر اپنے رب حقیقی سے جا ملے اور امت کے یتیم ہونے کا یہ دراز سلسلہ ہنوز جاری ہے اور فرامین خداوندی کے مطابق قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا، جن کے آخری دیدار کے لئے بھی ہماری آنکھیں ترستی ہیں اور ان کی آخری تربت پر چند مٹھی ڈالنے کے قابل حکومت کے قوانین نے ہم کو نہیں چھوڑا، ایسے ہی ماحول میں محقق یگانہ اور وسیع الفکر سیرت نگار پروفیسر یٰسین مظہر صدیقیؒ بھی ہم سے رخصت ہوئے اور اپنے رب کے جوار چل بسے، اللہ تعالی ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے اور سیرت نبوی کو عام کرنے کے عوض ان کا حشر انبیاء وصحابہ، صلحاء واتقیاء کے ساتھ فرمائے۔

یکتائے زمانہ محقق علامہ شبلی نعمانیؒ اور آپ کے شاگرد رشید فخر اقران علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت نگاری کے میدان کو اپنی فکری پختگی اور وسیع تصورات نظری سے گرم کیا، اس کے بعد اس فن کو بہت سے نابغہ روزگار اور یکتائے زمانہ افراد نے اپنے قلم کی روحانیت سے جلا بخشی اور عروج سے ہمکنار کیا، پروفیسر یٰسین مظہر صدیقیؒ بھی اسی فکری خانوادے کے چشم وچراغ اور ایک اہم منفرد رجحان کے حامل ممتاز سیرت نگار تھے، ایسے کہنہ مشق جنہوں نے ماضی کی کتابی سیرت نگاری کے معیار کو برقرار رکھ کر اس کو مزید فروغ اور کشش عطا کی، ان چنیدہ شخصیات میں ایک نمایاں نام پروفیسر صاحبؒ کا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقیؒ برصغیر کے ممتاز سیرت نگار علم وتحقیق ادراک وجستجو اور قلم وکتاب کے عظیم شہسوار ایک ایسے شخص کا نام ہے جنہوں نے علمی، تحقیقی وتاریخی دنیا میں ایک معتبر اور ممتاز مقام حاصل کیا، اور سیرت نگاری کی دنیا میں اپنی فتح ونصرت کے خیمے نصب کئے، ادارہ تحقیقات اسلامی کو عزت وعظمت سے نوازا اور قلم کو بہترین نمائندگی نیز شہنشاہیت عطا کی، انشاء وتحریر کے میدان میں اپنی جداگانہ پہچان امتیازی شان اور انفرادی حیثیت بنانے میں کامیاب وکامران ہوئے، شاید صدیوں تک نہ بھلائی جانے والی انہیں شخصیات کے بارے میں کسی شاعر نے کہا تھا کہ: ع

یہ نہ سمجھو کہ فسانہ ہیں یہ لوگ
یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ

انہوں نے نہ صرف اپنی ذاتی محنت شوق ولگن اور منزل تک پہنچنے کی جستجو میں اپنی انفرادیت کا چراغ روشن کیا، بلکہ اس چراغ کی حفاظت اپنے فن کو محفوظ کرنے اور سنوارنے میں کامیاب رہے اور جس دن سے چلا ہوں میری منزل پہ نظر ہے، آنکھوں نے کبھی میل کا پتھر نہیں دیکھا کا حقیقی مصداق بن کر قلم وقرطاس کو عظمت عطا کی اور اپنی شستہ وشگفتہ تحریروں سے قارئین کو نیا لذت وسرور دیا، اپنا گرویدہ بنایا اور سیرت نگاری کے میدان میں

اپنی ہنرمندی کے انمٹ نقوش ثبت کئے، انہوں نے سیرت نگاری کے فن کو خوبصورتی کے ساتھ برتا اور نبھایا اپنی تحریروں سے ایک الگ دنیا بسائی اور خداداد فکری صلاحیتوں کا بھر پور استعمال کر کے اپنی تحریروں کو جامع بنایا، نیا رنگ و آہنگ دیا، ظاہری حسن و جمال کے ساتھ باطنی شرافت و پاکیزگی اور اخلاص جیسی اعلی خصوصیت نے ان کے ہنر میں مزید نکھار پیدا کیا اور عظمت و مقبولیت سے ہمکنار کیا اور وہ علم و تحقیق کے تابندہ نشاں بنے۔

پروفیسر یٰسین مظہر صاحبؒ صرف ایک شخص کا نام نہیں بلکہ ایک تحریک ایک انجمن کا نام اور کام ہے چونکہ فرد اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے؛ لیکن تحریکیں و انجمنیں دوسروں کے لئے آگے بڑھنے کا جذبہ اور حوصلہ بخشتی ہیں انہوں نے اپنی خداداد و بے پناہ قلمی و فکری صلاحیت سے نئے قلم کاروں کو روشنی و پرواز عطا کی اور سیرت نبویؐ کے وسیع میدان نیز اس فن کی تفہیم و تسہیل کا فریضہ انجام دیا، اسی قلم کی بدولت ان کو معاشی وسعت بھی ہوئی ایک موقع پر انہوں نے محقق دوراں ڈاکٹر اکرم ندوی صاحب دام اقبالہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''یہ میرا مکان دارالقلم ہے''، یعنی قلم کے ذریعہ آنے والی آمد سے یہ مکان تیار ہوا ہے۔

معروف قلم کار ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی صاحب رقم طراز ہیں: ''بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور میں وہ عالمی سطح پر اتھارٹی سمجھے جاتے تھے''۔

ڈاکٹر صاحب سیرت نگاری کے اس گل سرسبد کا نام تھا جنہوں نے اپنی زندگی کا کثیر وقت بیش قیمت لمحات اس مبارک کام میں گذارے جس سے ان کے قلم میں روانی پیدا ہوئی طبائع میں انشراح ہوا، ان کا قلم سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر رواں دواں رہا اور ہند و پاک میں ان کو یکساں مقبولیت حاصل ہوئی، سیرت نگاری پر آپ کا اسلوب نگارش پسندیدہ تحقیقی اور زبان و ادب کے حوالہ سے معتبر اصحاب نقد کے یہاں ممتاز متوازن اور تنوعات سے بھر پور سمجھا جاتا تھا، ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب پروفیسر علوم اسلامیہ پنجاب لاہور نے آپ کی حیات میں اپنے ایک تحقیقی و تجزیاتی مضمون میں لکھا ہے: ڈاکٹر صاحب سیرت نگاری میں جو تنوع رکھتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ سیرت نگاری کے اساسی اور بنیادی مصادر سے استفادہ کرتے ہیں، اس مواد کا تجزیہ کرتے ہیں، اختلاف و تعارض کو ختم کرنیکی کوشش کرتے ہیں بلکہ تجزیاتی پہلو میں اجتہادی بصیرت کے حامل ہیں، تنوع اور جدت آپ کی تحریر کا خاصہ ہے، سماجیات اور تہذیب کا گہرا مطالعہ آپ کے یہاں ہے۔

اپنی علمی حیات جاوداں کے طویل تجربات اور ہمہ جہت طویل مطالعہ کے بعد آپ نے جس میدان میں بھی قدم رکھا کامیابی قدم بوس ہوتی گئی، کامرانی نے ان کا استقبال کیا؛ لیکن سیرت نگاری آپ کا فن رہا، جس میں موصوف کی عربی، اردو، انگریزی زبان میں متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں اور پانچ سو سے بھی زائد مختلف موضوعات خصوصاً سیرت النبیؐ پر آپ کے مقالات ملک و بیرون ملک جرائد و مجلّات میں شائع ہوئے، علامہ شبلی نعمانیؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندویؒ اور قاضی سلیمان منصور پوریؒ کے بعد ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقیؒ کے قلم نے سیرت کے بہت سے پوشیدہ پہلو کو اجاگر ہی نہیں کیا بلکہ بیش قیمت اضافہ کیا ہے، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی کا ترجمان سہ ماہی ''تحقیقات اسلامی'' آپ کے قلم کا مرہون ہے، اس کے تحقیقی و تاریخی مضامین آپ کی شب و روز محنت کا حصہ ہیں، سیرت و سوانح میں آپ نے ایک وسیع میدان اور تنوعات عناوین و مضامین کی ایک نئی فکر و سوچ اور کام کرنے کا ایک نیا انداز و سلیقہ دیا، سیر و سوانح تواریخ و ادب کا یہ شناور اور فاضل یگانہ اب ہم سے رخصت ہوا، اللہ تعالی ان کے سیئات کو حسنات سے مبدل فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے۔

اللہ کی قدرت

سورج اور چاند اللہ کی تخلیق کردہ

ماخوذ واٹس اپ

سورج فضا میں ایک مقرر راستہ پر پچھلے ۵/ارب سال سے ۶۰۰/میل فی سیکنڈ کی رفتار سے مسلسل بھاگا جا رہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس کا خاندان ۹/ سیارے، ۲۷/ چاند اور لاکھوں میٹرائٹ کا قافلہ اسی رفتار سے جارہا ہے، کبھی نہیں ہوا کہ تھک کر کوئی پیچھے رہ جائے، یا غلطی سے کوئی ادھر ادھر ہو جائے، سب اپنی اپنی راہ پر اپنے اپنے پروگرام کے مطابق نہایت تابعداری سے چلے جارہے ہیں، اب بھی اگر کوئی کہے کہ چلتے ہیں لیکن چلانے والا کوئی نہیں، ڈیزائن ہے؛ لیکن کوئی ڈیزائنر نہیں، قانون ہے؛ لیکن قانون کو نافذ کرنے والا نہیں، کنٹرول ہے لیکن کنٹرولر نہیں، بس یہ سب ایک حادثہ ہے، اسے آپ کیا کہیں گے؟

چاند تین لاکھ ستر ہزار میل دور زمین پر سمندروں کے اربوں کھربوں ٹن پانیوں کو ہر روز دو دفعہ مدو جزر سے بلاتا رہتا ہے، تاکہ ان میں بسنے والی مخلوق کے لئے ہوا سے مناسب مقدار میں آکسیجن کا انتظام ہوتا رہے، پانی صاف ہوتا رہے، اس میں تعفن پیدا نہ ہو، ساحلی علاقوں کی صفائی ہوتی رہے اور غلاظتیں بہہ کر گہرے پانیوں میں چلتی جائیں، یہی نہیں بلکہ سمندروں کا پانی ایک خاص مقدار میں کھارا ہے، پچھلے تین ارب سال سے نہ زیادہ نہ کم نمکین بلکہ ایک مناسب توازن برقرار رکھے ہوئے ہے، تاکہ اس میں چھوٹے بڑے سب آبی جانور آسانی سے تیر سکیں اور مرنے کے بعد ان کی لاشوں سے بو نہ پھیلے، انہی میں کھارے اور میٹھے پانی کی نہریں بھی ساتھ ساتھ بہتی ہیں، سطح زمین کے نیچے بھی میٹھے پانی کے سمندر ہیں جو کھارے پانی کے کھلے سمندروں سے ملے ہوئے ہیں، سب کے درمیان ایک غیب پردہ ہے تاکہ میٹھا پانی میٹھا رہے اور کھارا پانی کھارا، اس حیران کن انتظام کے پیچھے کون سی عقل ہے؟ اس توازن کو کون برقرار رکھے ہوئے ہے؟ کیا پانی کی اپنی سوچ تھی یا چاند کا فیصلہ؟

ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب جدید سائنس کا کوئی وجود نہیں تھا، عرب کے صحرا زدہ ملک میں جہاں کوئی اسکول اور کالج نہیں تھا، ایک آدمی اُٹھ کر سورج اور چاند کے بارے کہتا ہے کہ: یہ سب ایک حساب کے پابند ہیں "والشمس والقمر بحسبان"۔ (سورہ الرحمٰن: ۵/)

سمندروں کی گہرائیوں کے متعلق بتاتا ہے کہ "بینهما برزخ لا یبغیٰن" ان کے درمیان برزخ ہے جو قابو میں رکھے ہوئے ہے۔ (سورہ الرحمٰن: ۲۰)

جب ستاروں کو اپنی جگہ لٹکے ہوئے چراغ کہا جاتا تھا وہ کہتا ہے "وکل فی فلك یسبحون" یعنی سب کے سب اپنی مدار پر تیر رہے ہیں۔ (سورۂ یٰسین: ۴۰)

جب سورج کو سکون تصور کیا جاتا تھا وہ کہتا ہے: "والشمس تجری لمستقر لها" یعنی سورج اپنے لئے مقرر شدہ راستے پر کسی انجانی منزل کی طرف ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ (سورۂ یٰسین: ۳۸)

جب کائنات کو ایک جامد آسمان (جہت) کو کہا جاتا تھا وہ کہتا ہے یہ پھیل رہی ہے: "وانالموسعون"۔ (سورہ الذریات: ۴۷)

وہ نباتات اور حیوانی زندگی کے بارے میں بتاتا ہے کہ ان سب کی بنیاد پانی ہے، البرٹ آئن سٹائن اپنی دریافت ’’قوانین قدرت اٹل ہیں‘‘ پر جدید سائنس کا بانی کہلاتا ہے؛ لیکن اس نے بہت پہلے بتایا ”ماترى فى خلق الرحمٰن من تفوت“، ”تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی جگہ فرق نہیں پاؤ گے؟“۔ (سورۂ ملک:۳)

جدید سائنس کی ان قابل فخر دریافتوں پر ساڑھے چودہ سو سال پہلے پردہ اٹھانے والا کس یونیورسٹی سے پڑھا تھا؟ کس لیبارٹی میں کام کرتا تھا؟

نومولود بچے کو کون سمجھا تا ہے کہ بھوک کے وقت رو کر ماں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے؟ ماں کو کون حوصلہ دیتا ہے کہ ہر خطرے کے سامنے سینہ سپر ہو کر بچے کو بچائے، ایک معمولی سی چڑیا شاہین سے مقابلہ پر اتر آتی ہے، یہ حوصلہ اسے کس نے دیا؟ مرغی کے بچے انڈے سے نکلتے ہی چلنے لگتے ہیں، حیوانات کے بچے بغیر سکھائے ماؤں کی طرف دودھ کے لئے لپکتے ہیں، انہیں یہ سب کچھ کون سکھاتا ہے؟ جانوروں کے دلوں میں کون محبت ڈال دیتا ہے کہ اپنی چونچوں میں خوراک لا کر اپنے بچوں کے مونہوں میں ڈالیں، یہ آدابِ زندگی انہوں نے کہاں سے سیکھے؟

شہد کی مکھیاں دور دراز باغوں میں ایک ایک پھول سے رس چوس چوس کر انتہائی ایمانداری سے لا کر چھتے میں جمع کرتی جاتی ہیں، ان میں سے ایک ماہر سائنسدان کی طرح جانتی ہیں کہ کچھ پھول زہریلے ہیں، ان کے پاس نہیں جاتیں، ایک قابل انجینئر کی طرح شہد اور موم کو علیحدہ کرنے کا فن بھی جانتی ہیں، جب گرمی ہوتی ہے تو شہد کو پگھل کر بہہ جانے سے بچانے کیلئے اپنے پروں کی حرکت سے پنکھا چلا کر ٹھنڈا بھی کرتی ہیں، موم سے ایسا گھر بناتی ہیں جسے دیکھ کر بڑے سے بڑے آرکیٹیکٹ بھی حیرت زدہ ہیں، لاکھوں کی تعداد میں ایسے منظم طریقے سے کام کرتی ہیں کہ مثال نہیں، ہر ایک میں ایسا نظام نصب ہے کہ وہ دور دور نکل جاتی ہیں؛ لیکن اپنے گھر کا راستہ نہیں بھولتیں، انہیں زندگی کے یہ طریقے کس نے سکھائے، انہیں یہ عقل کس نے دی؟

مکڑا مکڑی اپنے منہ کے لعاب سے شکار پکڑنے کے ایسا جال بناتا ہے کہ جدید ٹیکسٹائل انجینئرز بھی اس بناوٹ کا ایسا نفیس دھاگا بنانے سے قاصر ہیں، گھریلو چیونٹیاں (Ant) گرمیوں میں موسم سرما کے لئے خوراک جمع کرتی ہیں، اپنے بچوں کے لئے گھر بناتی ہیں، ایک ایسی تنظیم سے رہتی ہیں، جہاں مینجمنٹ کے تمام اصول حیران کن حد تک کارفرما ہیں، ٹھنڈے پانیوں میں رہنے والی مچھلیاں اپنے انڈے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور گرم پانیوں میں دیتی ہیں؛ لیکن ان سے نکلنے والے بچے جوان ہو کر ماں کے وطن خود بخود پہنچ جاتے ہیں، نباتات کی زندگی کا سائیکل بھی کم حیران کن نہیں، جراثیم اور بیکٹیریا کیسے کروڑوں سالوں سے زندگی اپنی بقا کو قائم رکھے ہوئے ہیں؟ زندگی کے گر انہیں کس نے سکھائے، کیا زمین اس قدر عقل مند ہے؟

زمین نے بھی خود بخود لیل ونہار کا نظام قائم کرلیا، خود بخود ہی اپنے محور پر جھک گئی تاکہ سارا سال موسم بدلتے رہیں، کبھی بہار، کبھی گرمی، کبھی سردی اور کبھی خزاں تاکہ اس پر بسنے والوں کو ہر طرح کی سبزیاں، پھل اور خوراک سارا سال ملتی رہیں، زمین نے اپنے اندر شمالاً جنوباً ایک طاقتور مقناطیسی نظام بھی خود بخود ہی قائم کرلیا؟ تاکہ اس کے اثر کی وجہ سے بادلوں میں بجلیاں کڑکیں جو ہوا کی نائٹروجن کو نائٹرس آکسائڈ میں بدل کر بارش کے ذریعے زمین پر پودوں کے لئے قدرتی کھاد مہیا کریں، سمندروں پر چلنے والے بحری جہاز آبدوز اور ہواؤں میں اڑنے والے طیارے اس مقناطیس کی مدد سے اپنا راستہ پائیں، آسمانوں سے آنے والی مہلک شعائیں اس مقناطیسیت سے ٹکرا کر واپس پلٹ جائیں

تاکہ زمینی مخلوق ان کے مہلک اثرات سے محفوظ رہے اور زندگی جاری رہے، زمین، سورج، ہواؤں، پہاڑوں اور میدانوں نے مل کر سمندر کے ساتھ سمجھوتا کر رکھا ہے تاکہ سورج کی گرمی سے آبی بخارات اٹھیں، ہوائیں اربوں ٹن پانی کو اپنے دوش پر اٹھا کر پہاڑوں اور میدانوں تک لائیں، ستاروں سے آنیوالے ریڈیائی ذرے بادلوں میں موجود پانی کو اکٹھا کر کے قطروں کی شکل دیں اور پھر یہ پانی میٹھا بن کر خشک میدانوں کو سیراب کرنے کے لئے برسے، جب سردیوں میں پانی کی کم ضرورت ہوتی ہے تو یہ پہاڑوں پر برف کے ذخیرے کی صورت میں جمع ہو جاتا ہے، گرمیوں میں جب زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ پگھل کر ندی نالوں اور دریاؤں کی صورت میں میدانوں کو سیراب کرتے ہوئے واپس سمندر تک پہنچ جاتا ہے، ایک ایسا شاندار متوازن نظام جو سب کو سیراب کرتا ہے اور کچھ بھی ضائع نہیں ہوتا، کیا یہ بھی ستاروں، ہواؤں اور زمین کی اپنی باہمی سوچ تھی؟

ہمارے لبلبے خون میں شوگر کی ایک خاص مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے، دل کا پمپ ہر منٹ ستر، اسی دفعہ منظّم با قاعدہ حرکت سے خون پمپ کرتا رہتا ہے، ایک ۷۵ ؍سالہ زندگی میں بلامرمت تقریباً تین ارب بار دھڑکتا ہے، ہمارے گردے صفائی کی بے مثل اور عجیب فیکٹری ہیں جو جانتی ہے کہ خون میں جسم کے لئے جو مفید ہے وہ رکھ لیتا ہے اور فضلات کو باہر پھینک دیتا ہے، معدہ حیران کن کیمیکل کمپلیکس ہے، جو خوراک سے زندگی بخش اجزاء مثلاً پروٹین، کاربوہائیڈریٹس وغیرہ کو علیحدہ کر کے خون کے حوالہ کر دیتا ہے اور فضلات کو باہر نکال دیتا ہے، انسانی جسم میں انجینئرنگ کا یہ شاہکار، سائنس کے یہ بے مثل نمونے، چھوٹے سے پیٹ میں یہ لاجواب فیکٹریاں، کیا یہ سب کچھ یوں ہی بن گئے تھے؟ دماغ کو کس نے بنایا؟ مضبوط ہڈیوں کے خول میں بند، پانی میں یہ تیرتا ہوا عقل کا خزانہ، معلومات کا سٹور، احکامات کا سینٹر، انسان اور اس کے ماحول کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ایک ایسا کمپیوٹر کہ انسان اس کی بناوٹ اور ڈیزائن کو ابھی تک سمجھ نہیں پایا، لاکھ کوششوں کے باوجود انسانی ہاتھ اور ذہن کا بنایا ہوا کوئی سپر کمپیوٹر بھی اس کے عشر عشیر تک نہیں پہنچ سکتا، ہر انسان کھربوں خلیات کا مجموعہ ہے، اتنے چھوٹے کہ خوردبین کی مدد کے بغیر نظر نہیں آتے، لیکن سب کے سب جانتے ہیں انہیں کیا کرنا ہے، یوں انسان کا ہر ایک خلیہ شعور رکھتا ہے اور اپنے وجود میں مکمل شخصیت ہے، ان چیزوں میں ہماری پوری پروگرامنگ لکھی ہے اور زندگی اس پروگرام کے مطابق خود بخود چلتی رہتی ہے، ہماری زندگی کا پورا ریکارڈ، ہماری شخصیت ہماری عقل و دانش، غرض ہمارا سب کچھ پہلے ہی سے ان خلیات پر لکھا جا چکا ہے، یہ کس کی پروگرامنگ ہے؟

حیوانات ہوں یا نباتات، ان کے بیج کے اندر ان کا پورا نقشہ بند ہے، یہ کس کی نقشہ بندی ہے؟ خوردبین سے بھی مشکل سے نظر آنے والا سیل ایک مضبوط توانا عقل و ہوش والا انسان بن جاتا ہے، یہ کس کی بناوٹ ہے؟ ہونٹ، زبان اور تالو کے اجزا کو سینکڑوں انداز میں حرکت دینا کس نے سکھایا؟ ان حرکات سے طرح طرح کی عقل مند آوازیں کون پیدا کرتا ہے؟ ان آوازوں کو معنی کون دیتا ہے؟ لاکھوں الفاظ اور ہزاروں زبانوں کا خالق کون ہے؟ بس.... لا الٰہ الا اللہ۔ ❁❁

دعا قبول ہونے کا وقت

(۱) تہجد کے وقت	(۲) جمعہ کی رات
(۳) اذان کے وقت	(۴) فرض نمازوں کے بعد
(۵) سجدے میں	(۶) افطار کے وقت
(۷) بارش کے وقت	(ماہنامہ شعاع اردو بابت ۲۰۱۳ء)

❁❁❁

جائزہ

اللہ کی نافرمانیاں کرنا ایک سنگین جرم

مولانا محمد دلشاد مظاہری مہتمم مدرسہ حسینیہ حیات العلوم میر پور گندیوڑ، سہارنپور

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے شدید حالات رونما ہوتے رہتے ہیں، جن کے باعث عوام الناس کو تباہی وبربادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، کبھی آندھیوں اور طوفانوں نے بنی نوع انسان کو کربناک حالات سے دوچار کیا، تو کبھی ہلاکت خیز سیلابوں نے بے شمار انسانوں کی زندگیوں کو اجاڑ کر رکھ دیا اور کبھی خطرناک قسم کی بیماریوں نے آناًفاناً لاتعداد انسانوں کو لقمہ اجل بنادیا، تاریخ انسانی میں کئی بار ایسے واقعات بھی رونما ہوئے، جن سے پوری بنی نوع انسان متاثر ہوئی اور انتہائی بڑے پیمانے پر ہلاکتیں واقع ہوئیں، چونکہ ان ہلاکت خیز واقعات کے اسباب رب کائنات کی کھلی نافرمانی اور انسانوں کی اپنے سنگین جرائم وگناہ تھے، اس لیے انہیں عذاب الٰہی کہا گیا، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو جس شدید طوفان کا سامنا کرنا پڑا اسے بھی عذاب الٰہی کہا گیا، اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کئی صدیوں تک اپنی قوم کو سیدھا راستہ دکھانے کی جدوجہد کی؛ لیکن لوگ شقی القلب واقع ہوئے اور چند لوگوں کے علاوہ ان کی پوری قوم اللہ پر ایمان نہیں لائی، بالآخر قہر خداوندی نازل ہوا اور چند افراد کے علاوہ تمام لوگ پانی میں غرقاب ہوگئے، اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی؛ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے خدا کی واضح نافرمانی کی اور جس چیز سے رکنے کیلئے حضرت لوط علیہ السلام نے تعلیم دی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا، انہوں نے جان بوجھ کر علی الاعلان کیا، نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ اس قوم پر بھی عذاب مسلط کردیا گیا، اللہ کے احکام کے خلاف بغاوت کرنیوالوں کے خلاف عذاب خداوندی کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا، البتہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اتنے وسیع عذاب سے محفوظ رکھا گیا جو پوری بنی نوع انسان کو تباہی سے دوچار کردے، گویا کہ یہ امت محمدیہ پر باری تعالی کی خصوصی رحمت ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد عوام الناس قہر خداوندی سے بالکل محفوظ ہوگئے اور ناشکری کرنے والوں کو انتہائی گھناؤنی حرکتیں کرنے کیلئے آزادی مل گئی، یاد رکھنا چاہئے کہ انسانوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا، جس نے اچھے کام کئے ہوں گے اسے بہترین اجر سے نوازا جائے گا اور جس نے برے اعمال کئے ہوں گے، اسے سزا کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔

اللہ تعالی ناشکر گزار لوگوں کو پسند نہیں کرتا؛ لیکن آج جہاں انسانوں کے ذریعہ اپنے مالک حقیقی کی ناشکری کی جارہی ہے یہی نہیں بلکہ جن باتوں کو دونوں جہاں کے مالک نے منع فرمایا ہے اور سنگین جرم قرار دیا ہے انہیں دھڑلے سے انجام دیا جارہا ہے، غور کرنے کا مقام ہے کہ ایسے میں اگر قہر خداوندی نازل نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا، جو لوگ اللہ کی ناشکری کرتے ہیں اور سنگین جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں اس کی سزا آخرت میں تو ملے گی ہی لیکن اس دنیا میں بھی انہیں کسی نہ کسی حد تک اپنی بداعمالیوں کے سنگین نتائج سے گزرنا پڑتا ہے؛ لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ انسان جانتے ہوئے بھی بار بار ناشکری اور سنگین اعمال کا ارتکاب کررہا

ہے، اگر انسان ذرا بھی غور وفکر کرے تو اسے عبرت کے لئے بے شمار واقعات مل سکتے ہیں، قرآن مجید میں بیان کردہ واقعات بنی نوع انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اگر ایک طرف اسلامی تعلیمات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ رب العزت رحم کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے تو دوسری جانب اسلام میں اس بات کی بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ انتقام لینے والا ہے اور اس وقت تک انتقام لیتا ہے جب تک کہ بندہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آجائے، قرآن میں وضاحت کے ساتھ اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ پچھلی امتوں پر بار بار خدا کا عذاب آیا ہے، قوم لوط، قوم نوح، قوم ثمود، بنی اسرائیل اور بعض دیگر پچھلی اقوام پر عذاب خداوندی نازل ہوا۔

اللہ کا قہر مختلف صورتوں میں نازل ہوسکتا ہے، انفرادی صورت میں بھی اور اجتماعی صورت میں بھی، علاقائی سطح پر بھی اور صوبائی وملکی سطح پر بھی، فی زمانہ پوری دنیا میں بنی نوع انسان جس طرح کے جرائم میں ملوث نظر آرہی ہے اور ترقی کے نام پر نظام قدرت میں جس بڑے پیمانہ دخل اندازی کی کوشش کی جارہی ہے وہ قہر خداوندی کا بنیادی سبب ہے، یہی نہیں بلکہ وہ اقوام جو ترقی یافتہ ہیں جن کے پاس ذرائع اور وسائل ہیں وہ ان کا غلط استعمال کرتی دکھائی دے رہی ہیں، طاقتور ممالک الگ اپنی طاقت سے کمزور ممالک کو ستانے اور ان پر بالا دستی قائم کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ صورت حال اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے، موجودہ دور کے انسان کی جو گھناؤنی حرکتیں ہیں، اگر ان پر مکمل طور سے گرفت کی جائے اور انہیں دنیا میں سزا دی جائے تو آج کے دور کے انسانوں کو بھی سخت عتاب خداوندی کا شکار ہونا پڑسکتا ہے، مگر چونکہ امت محمدیہ کو اتنے شدید یا وسیع عذابوں سے محفوظ رکھا گیا ہے، جیسا کہ پچھلی امتوں پر نازل ہوئے تھے، تاہم انسانوں کو عبرت کا سامان فراہم کرنے کیلئے قہر خداوندی کی جھلکیاں جہاں آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں، کہیں سمندری طوفانوں کی شکل میں، کہیں سخت آندھیوں کی شکل میں، کہیں باہمی ٹکراؤ کے نتیجہ میں، کہیں تباہی کی شکل میں اور کہیں سیلاب وبیماریوں کی شکل میں، اسی طرح بعض ممالک میں زلزلے آرہے ہیں، درجہ حرارت میں اضافہ کی وجہ سے بنی نوع انسان خطرات کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اگر انسان عام زلزلوں، طوفانوں، سیلابوں اور دیگر مختلف قسم کی قدرتی آفتوں سے تحفظ چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کو درست کرے، اپنے مالک حقیقی کا شکر گزار بن کر رہے، اس کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے، خلق خدا کے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا رہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تکمیل کرے، غور کرنے کا مقام ہے کہ آج بہت سے انسان دوسروں کے حقوق کو بڑی بے رحمی سے غصب کر لیتے ہیں، لوگوں میں احترام انسانیت کا جذبہ ختم ہورہا ہے، حرص ولالچ عروج پر ہے، مال ومتاع اور منصب وعہدوں کے لیے انتہائی گھٹیا طریقے اختیار کئے جارہے ہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی کو نظر انداز کیا جارہا ہے، ظلم وستم، زیادتی وناانصافی بڑھتی جارہی ہے، ایسے حالات میں اللہ کا عذاب کیوں نہیں آئے گا؟

موجودہ وقت آئے دن عبادت گاہوں، بازاروں، کلبوں اور بھیڑ بھاڑ کی جگہوں پر دھماکے اور دوسرے حادثے ہوجانا کیا یہ عذاب سے کم ہے؟ اس طرح کے حادثات کے ظاہری اسباب بھلے ہی کچھ ہوں لیکن ان کے باطنی اسباب یہی ہیں کہ انسان گناہوں کے ارتکاب میں بہت آگے نکل چکا ہے، آج کورونا جیسی بیماری ہمارے اوپر مسلط ہے یہ کس عذاب سے کم ہے، لیکن پھر بھی ہم اللہ کی نافرمانیاں کرتے چلے جارہے ہیں، سوچنے کا مقام ہے، اللہ تمام امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین

مطبوعات

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

۱-مختصر تجوید القرآن (۲۰روپئے)
۲-بچوں کی تمرین التجوید (۲۰روپئے)
۳-جیب کی تجوید (۱۰روپئے)
۴-رہنمائے سلوک وطریقت (۳۰روپئے)
۵-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (۲۰روپئے)
۶-مکتوبات اکابر (۵۰روپئے)
۷-حیات عبدالرشید (۲۰۰روپئے)
۸-بزرگان رائے پور (۵۰روپئے)
۹-افکاردل (۲۰۰روپئے)
۱۰-التدخین بین الشرع والطب (۵۰روپئے)
۱۱-مقالات ومشاہدات (۶۰روپئے)
۱۲-اللہ ورسول کی محبت (۲۰روپئے)
۱۳-امامت کے احکام ومسائل (۶۰ روپئے)
۱۴-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ (۵۰روپئے)
۱۵-سازدل (۱۰۰روپئے)
۱۶-تصوف اوراکابر دیوبند (۴۰روپئے)
۱۷-میرے شیخ ومرشد مفکراسلام (۵۰روپئے)
۱۸-درددل (۱۰۰روپئے)
۱۹-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (۱۰۰روپئے)
۲۰-حیات شیخ الحدیث (۵۰روپئے)
۲۱-گذرگاہیں (۶۰روپئے)
۲۲-عقائد اورارکان اسلام (۲۰روپئے)
۲۳-سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۳۰روپئے)

۲۴-ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۷۰روپئے)
۲۵-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۹۰روپئے)
۲۶-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (۱۵۰روپئے)
۲۷-تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳۰روپئے)
۲۸-تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ (۳۰روپئے)
۲۹-تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ (۸۰روپئے)
۳۰-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (۳۰روپئے)
۳۱-تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (۵۰روپئے)
۳۲-نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (۱۰۰روپئے)
۳۳-کامیابی کے اصول اوراللہ کے مقبول بندے (۳۰روپئے)
۳۴-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول (۳۰روپئے)
۳۵-قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت (۳۰روپئے)
۳۶-فقہ حنفی کے مراجع اورانکی خصوصیات (۳۰روپئے)
۳۷- القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدیة (۳۰روپئے)
۳۸-الامامۃ فی الصلوۃ ومسائلہا واحکامہا (۸۰روپئے)
۳۹-ریاض البیان فی تجوید القرآن (۵۰روپئے)
۴۰-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (۲۰۰روپئے)
۴۱-ماں باپ اوراولاد کے حقوق (۳۰روپئے)
۴۲-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت (۳۰روپئے)
۴۳-مختصر تذکرہ حضرت شیخ الہندؒ (۳۰روپئے)
۴۴-اسلام میں پردہ کی اہمیت (۳۰روپئے)
۴۵-سیرت النبی الاکرمؐ (۳۰روپئے)
۴۶-میری والدہ مرحومہ (۴۰روپئے)

۴۷-دوآب دار موتی (۳۰روپئے)
۴۸-یتیموں کی کفالت (۳۰روپئے)
۴۹-توشہ آخرت (۲۰۰روپئے)
۵۰-دودن کا سفر (۲۰۰روپئے)
51- Rules of Raising Funds (Rs.20)
52- Beliefs and Pillars of islam (Rs.20)
53- The Laws Pertaining to Imamat (Rs.100)
54- The Rights of Perents and children (Rs.20)
55- Guidelines for Sulook and Tareeqat(Rs.80)
56-Tasawwuf and tha Elders of Deoband (Rs.40)
57-A Biogrophy of the Noblest Nabi (Rs.50)
58- Life Sketch of Hadhrat Thanwi (Rs.40)
59- My Sheikh and Spiritual Guide (Rs.40)
60- Importance of Hijab in islam (Rs.30)

ملنے کا پتہ: مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058 - 09719639955